دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
الحق
ماہنامہ
بانی
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ
بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر
مولانا سمیع الحق
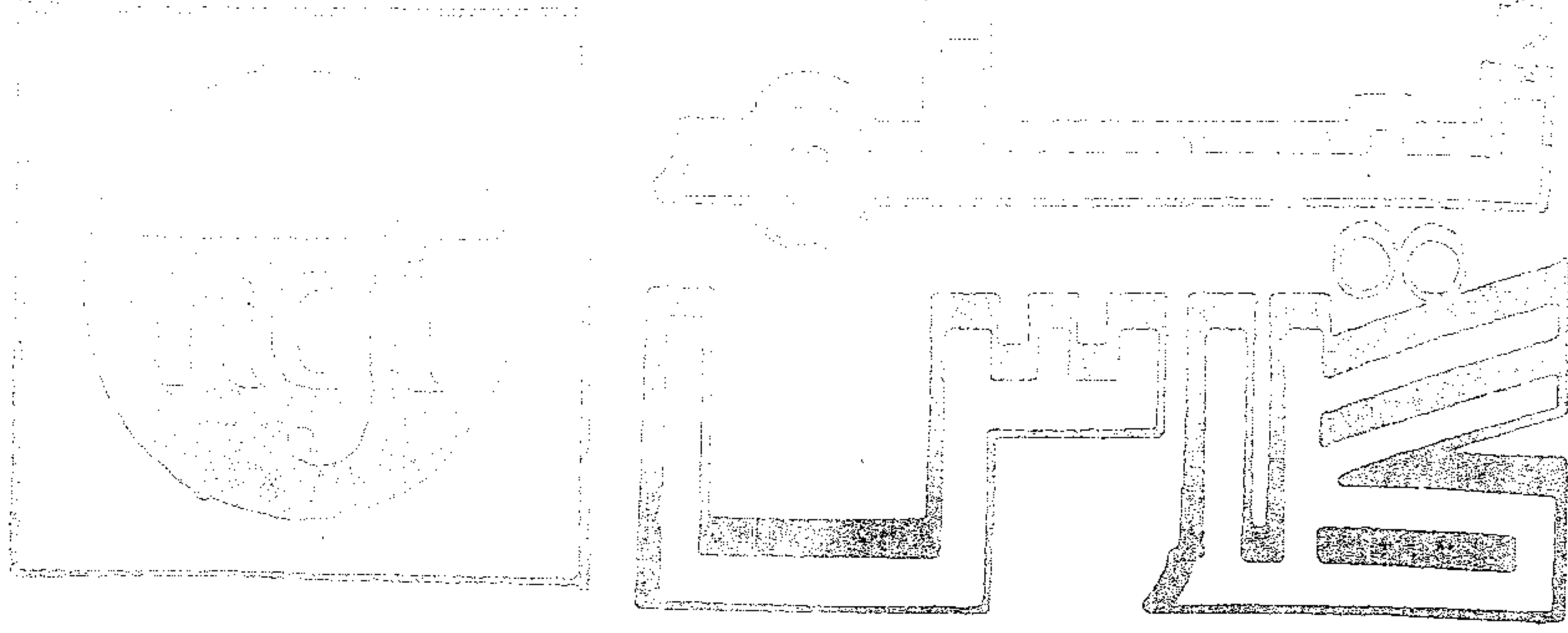
اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ــــ ۳۱
شمارہ ــــ ۶-۷
ذیقعدہ ذوالحجہ ــــ ۱۴۱۶ھ
مارچ اپریل ــــ ۱۹۹۶ء

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

بیاد
حضرۃ مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر :- عبدالقیوم حقانی

مدیر اعلیٰ
حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم - شفیق فاروقی

ایگزیکٹو ایڈیٹر
حافظ راشد الحق سمیع

فون ۶۳۰۳۴۰ - ۰۵۲۲۱

اس شمارے کے مضامین

(نوٹ) یہ پرچہ دو شماروں پر مشتمل ہے

پاکستان میں سالانہ ۱۲۰/- روپے فی پرچہ ۱۲/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۶/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

یا ایہا الناس قد جاءکم الحق

ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں ؟

ان دنوں ملک میں فحاشی، عریانی اور ناچ گانے کے رنگا رنگ پروگراموں کا جو سیلاب اُمڈ آیا ہے اور جگہ جگہ ڈسکو اور پاپ موسیقی (اسم بامسمٰی) کے مظاہرے کیے جا رہے ہیں اور حکمران طبقہ پی ٹی وی کے ذریعہ سے ملک میں فحاشی اور عریانی، ہوا و ہوس طاوس و رباب رقص و غنا، اور مادر پدر آزاد ثقافت اور کلچر کو فروغ دینے میں شب و روز مصروف ہے اور درحقیقت پاکستان ٹیلی ویژن (P.T.V) آج کل ایک ایسا متعفن بدبو دار گٹر کی صورت اختیار کر چکا ہے، جس کی گندگی اور غلاظت کے مضر اثرات گھر گھر میں پہنچ رہے ہیں۔ نوجوان نسل حکومت کی موجودہ کلچر پالیسی کی وجہ سے تباہی اور گمراہی کے آخری حدود کو چھو رہی ہے انہوں نے آزادی نسواں کے پردے اور ثقافت و کلچر کے لبادے میں یورپین اور انڈین کلچر اور عریانی و فحاشی کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے کہ

ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

حکومت کی سرپرستی میں اطلاعاتی و نشریاتی اداروں خصوصاً ارباب ٹی وی نے ورلڈ کپ کے دوران پردۂ سکرین پر قوم کو جو کچھ دکھایا ہے اور ثقافت کے نام پر ملک بھر، بلکہ پوری دنیا میں سیٹلائٹ کے ذریعہ پیش کیا ہے اور جس ڈھٹائی اور بھونڈے طریقہ سے اس معاشرے اور ملک کی نظریاتی اور دستوری آئین "اسلام" کا مذاق اڑایا گیا ہے اور جس بے باکی سے ملک کے اسلامی تشخص کی دھجیاں اڑائی گئی ہیں اور جس طرح دو قومی نظریہ کو پاش پاش کیا گیا ہے۔ چادر اور چار دیواری کی علمبردار نسوانی حکومت نے قبائے عفت وحیا کو تار تار کرتے ہوئے قوم کی بیٹیوں اور دختران ملت اسلامیہ کو ثقافت کے نام پر نیم برہنہ طوائفوں کی صورت میں پوری دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس سے ملک و ملت کی اسلامی ثقافت اور نظریاتی اساس کو جو دھچکہ لگا ہے اور اس سے پاکستان کے غیور و جسور مسلمانوں کے صاف دامن پر ذلت و رسوائی کا جو سیاہ دھبہ لگا ہے۔ اس کا ازالہ شاید کبھی نہ ہو سکے۔

ع آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

ایک اسلامی ملک کی چودہ کروڑ آبادی کے اوپر جس طرح چند گویوں، بھانڈوں، مغنیوں، کنجروں
مراثیوں، داشتاؤں، رقاصاؤں اور اس بازار کے طوائفوں کو ثقافت کے نام پر مسلط کیا گیا ہے۔ اور ان
کی ہڑبونگ غل غپاڑہ ناچ گاتے، میلوں ٹھیلوں بھنگڑوں اور پاپ میوزک یعنی (طوفان بدتمیزی) اور
اختلاط مرد وزن اور مغربی موسیقی کی دھنوں پر "دختران مشرق" کے لہراتے ہوئے آنچل اور سٹیج پر ان
کی جلوہ طرازیاں، تھرکتے ہوئے بدنوں کی نمائش کرانا۔ جنس زدہ فحش سفلی گانوں اور ڈراموں کی بھرمار
اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس کو اسلامی ثقافت کا نام دینا اور پھر اس پر فخر کرنا اور ان لوگوں کو قوم کے
حقیقی ترجمان اور ان کے زعم باطل میں کہ یہ ملک کے ہیروز ہیں۔ اور قوم کو یہی طریقے اختیار کرنے کے
مشورے اور دعوت گناہ دی جا رہی ہے اور ستم ظریفی یہ کہ اس کو پاکستانی ثقافت کہنے پر مجبور کیا
جا رہا ہے۔ ؎

صیاد نے قفس میں بچھائے ہیں چند پھول
ہمیں یہ حکم ہے کہ اس کو آشیاں کہیں

حکومت نے اس شیطانی چرخے (T.V) کی باگ ڈور ایک آزاد خیال مغرب زدہ اور یورپی
تہذیب و تمدن کے دلدادہ چیرمین کے ہاتھوں تھما دی ہے، جس کی "رعنائیوں" کے سامنے آج ہندو اور
مغرب کی تہذیبیں دھندلانے لگی ہیں۔ بلکہ لوگ تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ پی ٹی وی (P.T.V) آج
زی ٹی وی (ZEE) اور سی این این (CNN) کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے اور جس کے تباہ کن اثرات
ہر سمت محسوس ہو رہے ہیں، جس طرف بھی نگاہ ڈالیں ہر طرف عصمت و عفت اور اخلاق و حیاء کے
جنازے اٹھ رہے ہیں۔

ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدي الناس (الآیہ)

اسی فحاشی اور سربراہیت پر مبنی پالیسی کے نتیجہ میں بنگلور کے گراؤنڈ پر پاکستانی کرکٹ ٹیم کو ذلت آمیز
شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ حکمرانوں کی انہی ناشائستہ حرکات کی وجہ سے پورا ملک قعر مذلت میں جا گرا۔ ٹیلی ویژن
پر ارباب حل و عقد کی ہٹ دھرمیوں کے باعث پوری قوم ایک ڈیپریشن اور ذہنی تناؤ میں مبتلا رہی
قوم کے لیے یہ شکست سامان عبرت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ایک صورت ہے۔

ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

اور حکمرانوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ٹوسٹ ڈانس

چمٹوں اور باجوں کے ذریعے سے ہم فتح اور کامیابی کے امیدوار تھے۔ درحقیقت ہم نے تو کھیل ہی کو اپنا مقصد بنالیا تھا اور لہو لعب اور رقص و سرور کو سب کچھ سمجھ بیٹھے تھے۔ حالانکہ ارشاد خداوندی ہے
وما هٰذه الحيوٰة الدنيا الا لهو و لعب -

آج ان تغافل کیشوں اور غفلت شعاروں کا یہ اندھا انبوہ کس سمت جارہا ہے؟ خدا جانے ہمارے یہ ناعاقبت اندیش اور دین و مذہب سے بیزار حکمران اور ارباب ٹی۔وی قوم و ملک کو ہلاکت اور پستیوں کی کن کن وادیوں میں دھکیلنا چاہتے ہیں، یہ لوگ ملک و قوم کو اکیسویں صدی میں ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل اقوام کے ساتھ معاشی، اقتصادی، صنعتی اور تعلیمی میدان میں تو لا کھڑا نہ کر سکے ہاں البتہ فحاشی عریانیت، بے حیائی، کھیل تماشوں اور دین و مذہب سے بیزاری وغیرہ میں یورپی ممالک سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گئے۔ اس کھیل نے پاکستان اور مسلمانوں کا جو حال اور حشر کیا ہے اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ سه

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

چنانچہ اس فحاشی اور عریانیت کے خلاف پارلیمنٹ میں مدیر اعلیٰ الحق جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی نے جس بے باکانہ انداز اور دو ٹوک الفاظ میں حکمرانوں کو متنبہ کیا کہ یہ تہذیب اور کلچر تو یورپین اور انڈین بلکہ ہیجڑوں کی ثقافت ہو سکتی ہے۔ پاکستان کے غیرتمند باایمان و باحمیت مسلمانوں کی ہرگز نہیں۔ حکمرانوں کے ان اعمال اور سیاہ کاریوں کا اثر عوام اور رعایا پر ضرور ہوتا ہے، کیونکہ الناس علی دین ملوکهم۔

اذا كان رب البيت بالدف مولعاً فشيمة اهل البيت كلهم رقص

جب صاحب خانہ دف کا دل دادہ ہو تو گھر والوں کی عادت ناچ گانے کی ہوگی

مملکت پاکستان کے "اسلامی" دارالخلافۃ اسلام آباد میں پارلیمنٹ ہاؤس پرائم منسٹر ہاؤس اور پریذیڈنسی کے عین ناک کے نیچے فائیو سٹار ہوٹل (ریسٹ) میں جو کلب "مڈ ویسٹ" گذشتہ تین سال سے حوا کی بیٹی اور دختر رز کا جو شیطانی کھیل پیش کر رہا ہے اور پھر اس کا خصوصی اہتمام جمعہ کی مقدس رات کو کیا جاتا ہے بقول کسے

له مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اپنے عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی درخشاں روایات کو زندہ رکھتے ہوئے سینٹ میں یہ تقریر کی تھی۔ بالکل اسی طرح کے ماحول اور تناظر میں حضرۃ شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ۱۹۷۳ء میں اسی پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں ثقافت کے نام پر فحاشی و بےحیائی کے خلاف قرارداد پیش فرمائی تھی

؎ ہر گناہے کہ کنی در شب ادینہ بکن   تاکہ از صدر نشینان جہنم باشی

آخر ہمارے حکمران اور ارباب ٹی وی قرطاس وقلم کے بجائے معماران وطن کے ہاتھوں میں گٹار، ہارمونیم، پیانو، اور دیگر آلات تذویر دجال   کیوں دے رہے ہیں؟ اوران شترانِ بے مہار کا یہ ریوڑ ملک کی کونسی خدمت کے لیے تیار کیا جارہا ہے؟ نخرہ ہے جالو کی ثقافت تو قوم نے ۱۹۷۷ء میں ہی دفن کر دی تھی اور اب موجودہ حکمران طبقہ یہ غیر ملکی "درآمد شدہ" ثقافت ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، یہ عریانیت فحاشی پر مبنی ثقافت کا ملغوبہ اور طوفان بدتمیزی ان برگر فیملیز اور خرانٹ بیوروکریٹس اور گرفتاران تہذیب مغرب کی تو ہو سکتی ہیں پاکستان قوم کی نہیں کیونکہ بقول اقبال

؎ فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب

یا یہ ثقافت اور کلچر اور رنگینیاں محمد شاہ رنگیلے اور واجد علی شاہ کے قبیلے سے ان کا تعلق تو ہو سکتا ہے ہمارے حکمرانوں کو "تاریخ سے سبق لینا چاہیئے کہ اگر یہ لوگ ان رنگیلوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں تو پھر ان کا انجام بھی ان کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وزیر اعظم صاحبہ جب ایران یا سعودی عرب جیسے ممالک میں جاتی ہیں تو دوپٹے اور خصوصاً پردے کا التزام ان ممالک کی اسلامی پالیسی کی وجہ سے کرتی ہیں لیکن مملکت اسلامیہ پاکستان کے لیے ان کو یہ پالیسی پسند نہیں تو کیا عجب کہ اس دو رنگی پر حرمین شریفین کے در و بام سے ہاتف غیبی "حکیم سنائیؒ" کے الفاظ میں محترمہ کو یوں مخاطب کریں۔

؎ بہ طواف کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادم   کہ بیرون درچہ کردی چوں درون خانہ آئی؟

آخر میں ہم ان "دجالی تہذیب کے دلدادگان کو کہتے ہیں کہ ذرا اپنے کبراءؔ پر نظر ڈالیں محفل رقص وطرب کا دلدادہ جنرل یحییٰ خان کہاں ہے؟ ایران کو عریانی اور فحاشی کا اڈہ اور ایشیا کو یورپ بنانے کا دعویدار کس بے کسی اور کسمپرسی میں مرا۔ حسن ابن الصباح کا عریانیت اور فحاشی چنگ ورباب مے اور مینا شراب وشباب اور مصنوعی بہشت قلعہ الموط کدھر ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو   میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے
ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان وآگہی   مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین وہوش ہے

اور اگر حکمرانوں اور ارباب ٹی۔ وی کا یہی وطیرہ رہا اور محفل چنگ ورباب کا یہ سلسلہ قائم رکھنے پر یہ لوگ مُصر رہے تو پھر شاید حکومت اور قوم کو بربادی اور عذاب الیم کے رعد وبرق سے کوئی بھی [illegible] اور نہ بچا سکے۔ انّ الذین یحبّون انْ تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون   (لہ دعوۃ الحق) راشد الحق سمیع

۱۵ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ

ضبط : مولانا عبدالوہاب مروت متعلم دارالعلوم حقانیہ

جامع مسجد دار العلوم میں تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب سے

جامعہ حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کا مفصل خطاب

(شوال ۱۴۱۶ھ)

۲۳ شوال کو جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ میں تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ نے درس بخاری سے آغاز فرمایا حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے طلبہ کو خوش آمدید کہا اور اس موقع پر مفصل خطاب بھی فرمایا ذیل میں وہی ٹائپ ریکارڈر سے من وعن نقل کرکے نذر قارئین ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد!

دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس میں طلبہ کا بڑا حصہ ہے بلکہ تاسیس کے محرک طلباء ہی ہیں جو
کے بعد دیوبند سے رہ گئے تھے۔ حضرت مولانا قدس سرہ العزیزؒ کا ارادہ دارالعلوم بنانے کا نہیں
اس وقت سرحد میں اس قسم کے مدارس کا رواج نہیں تھا۔ وزیرستان، افغانستان، بلوچستان اور س
اور یہاں کے لوگ مدارس سے ناواقف تھے۔ یہ چیز ہندوستان میں عام تھی۔ حضرت مولانا کے
وگمان میں بھی نہ تھا کہ تقسیم ہند سے دیوبند واپس جانا مشکل بن جائے گا۔ ان کا خیال تھا کہ را
کھل جائیں گے تو پھر واپس جائیں گے۔ طلباء ان کے پاس جمع ہوئے جو دارالعلوم دیوبند میں ان
تلامذہ تھے اور ہماری اس چھوٹی سی مسجد میں درس شروع ہوا۔ اس ارادے کے ساتھ کہ یہاں عار
قیام ہے۔ طلباء نے عرض کیا کہ واپس جانے کی بجائے یہیں مدرسہ بنالیں گے۔ حضرت نے فرمایا
یہاں مدرسہ بنانا آسان کام نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ واپس دیوبند جائیں گے۔ طلباء نے ازخود رات
مسجد کی شہتیر پر لکھدیا "دارالعلوم حقانی" حقانیہ نہیں "حقانی" پھر حضرت مولانا محمد ادری
کاندھلویؒ نے جو بہت بڑے محدث اور مفسر تھے۔ انہوں نے حقانی کو حقانیہ سے بدل دیا۔ کیونکہ

ترکیب درست نہیں تھی۔ طلباء چاک سے لکھا کرتے۔ حضرتؒ منع فرماتے لیکن تقدیر میں دارالعلوم کا قیام لکھا جاچکا تھا۔ اسست علی التقوی۔

دارالعلوم کی تاسیس کے وقت طلباء نے بہت ساری مشقتیں اٹھائیں۔ دارالعلوم میں نہ غسل خانے تھے نہ لیٹرین۔ نہ پانی کا مناسب بندوبست تھا، نہ بجلی کے پنکھے تھے، نہ مطبخ تھا۔ بس طلباء بے چارے گھروں سے وظیفہ اکھٹا کرتے تھے۔ اس وقت کے طلباء آج بڑے محدثین ہیں اور انہی تکالیف کا یہ صلہ ہے۔ یہ ہمارے ساتھ آج مولانا عبد الغنی صاحب موجود ہیں حضرت شیخ الحدیث کے بڑے چہیتے شاگرد تھے۔ مجھے یاد ہے ہمارے گھر کے ساتھ مسجد کے قریب ایک بوسیدہ سا مکان تھا۔ کھنڈر تھا، تنگ و تاریک کمرے۔ اس میں طلباء کا قیام تھا جن میں مولانا عبد الغنی بھی تھے۔ بہرحال دارالعلوم سے اللہ تعالیٰ کام لینا چاہتے تھے۔ اخلاص، للہیت، تقویٰ کی انتہا تھی۔ طلباء اور اساتذہ نے جو جو تکلیفیں جھیلیں ان کو دیکھ کر آج مجھے حیرت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس میں دس اساتذہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اور درس جاری ہے اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو ان مراحل سے گزارنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ثمرات دنیا کو پہنچائیں۔

عزیز طلباء! آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم کے لئے منتخب فرمایا ہے سب سے پہلے تو آپ پر لازم ہے کہ شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ کا کہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں انسانوں میں آپ کو اپنے دین کے سیکھنے کے لئے منتخب فرمایا۔ آج دنیا مادہ پرستی میں غرق ہے۔ سکولوں اور کالجوں، یونیورسٹیوں کو جاتے ہیں کوئی انجینئر بن رہا ہے، کوئی ڈاکٹر، کوئی سائنسدان، کوئی حکمران بن رہا ہے، کوئی سیاستدان، کوئی کروڑ پتی بننے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ یہ سارے علوم مادہ پرستی کے علوم ہیں۔ آپ دین سیکھنے آئے ہیں۔ آپ پر اللہ کا جتنا شکر کریں کم ہے۔ یہ نہ سوچیں کہ ہم معاذ اللہ اللہ تعالیٰ پر احسان کر رہے ہیں کہ علم حاصل کرتے ہیں۔ کروڑوں، لاکھوں، انسانوں میں اس فتنے کے دور میں، فساد کے دور میں جب اللہ تعالیٰ ایک آدمی کا انتخاب کرلیتا ہے تو چاہیئے کہ سر بسجود ہوکر کہے یا اللہ میں ایک گناہ گار اور کم تر بندہ ہوں، میں بھی دنیا کے پیچھے لگ کر ذلیل ہوسکتا تھا۔ دوکانداری کرتا، افسر بن جاتا، حکمران بن جاتا، تو کیا ہوتا؟

اگر ساری دنیا کا بادشاہ بن جاتے تو کیا ہوتا۔ فرعون کا قائم مقام ہوتا۔ کروڑوں روپے جمع کئے ہوتے تو قارون کا قائم مقام ہوتا اور ساری دنیا کا حکمران بن جاتے تو کلنٹن اور یلسن کے قائم مقام بن جاتے۔ سب کو خوف ہر وقت لگا رہتا ہے، اچانک تخت سے تختہ پر چلا جاتا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے

علم کے لئے چن لیا. علم کتنی بڑی چیز ہے.

بھائیو! علم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت ہے. علم کا مظہر اتم اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خاص انسان کو بنایا ہے. یہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صفت دی ہے جو باقی حیوانات کو نہیں دی. انسان اگر اشرف المخلوقات ہے تو علم کی وجہ سے ہے، وعلم آدم الاسماء کلھا. علم اگر نہ ہوتا تو بھیڑ بکریوں، گائے، بھینس، بلی اور کتے کی طرح انسان بھی ایک حیوان ہوتا. علم کو اللہ تعالیٰ نے ذریعہ امتیاز قرار دیا. اقراء باسم ربک الذی خلق. یہاں رب کا ذکر ہے کہ رب کا نام لے جس نے پیدا کیا لیکن اقراء و ربک الاکرم الذی علم باالقلم. جب علم کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میں رب ہوں، اکرمیت والا ہوں. بہت بڑی صفت ہے. ربوبیت خلق کا تقاضا تھا اور اکرمیت علم کا ذریعہ بنا. تعلیم انسان کو دی کہ تو اگر اشرف المخلوقات ہے تو علم کی وجہ سے ہے. وہ دنیاوی علوم جو ہیں تو وہ سارے فنون ہیں وہی مزدور ہی موچی، وہی درزی ہے، نام بدل دیئے گئے، انجینئر وغیرہ رکھدیا ہے. چیز وہی ہے خود کو انجینئر کہتے ہیں. سائنسدان کہتے ہیں. چیز وہی ہے، وہ علم نہیں ہے، علم تو وہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو. ذات کی معرفت، کائنات کی معرفت اور تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی معرفت حاصل ہو اور علم صرف وہ ہے جس کے لئے آج یہاں آپ جمع ہوئے ہیں. جو وحی سے حاصل ہوتا ہے. قرآن و حدیث سے حاصل ہوتا ہے. العلماء ورثۃ الانبیاء، حضورؐ فرماتے ہیں کہ آپ انبیاء کے وارث ہیں. وہ امانت الٰہی جس کے متعلق قرآن میں آتا ہے. انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان. وہ امانت یہی علم ہے. تمام کائنات نے اس سے انکار کیا. عرش و فرش کوہ و جبل سب نے انکار کیا. و حملھا الانسان، انہ ان نے اس کو اٹھایا میری رائے میں اس انسان سے صرف اہل علم مراد ہیں. طالب علم مراد ہیں. کامل انسان وہ ہے جس کے پاس علم ہو. ان بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے فضلاء جو اپنی حقیقت تک سے بے خبر ہیں. حلال و حرام کی تمیز نہیں کرسکتے. یہ تو انسان نہیں یہ تو انعام ہیں. انسان تو یہ ہیں، علماء جنہوں نے اس امانت وحی کو اٹھایا. اب ان انسانوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے. ان کا کیا کچھ عطا فرمائیں گے. وان تعدو نعمت اللہ لا تحصو ھا. اب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو نہیں کرسکیں گے.

امام غزالیؒ فرماتے ہیں، ساری کائنات میں یا تو نعمتیں ہیں یا منعم علیہ ہیں یا منعم ہے. ان تمام نعمتوں میں اگر کوئی نعمت بنتی ہے یا نعمت کامل بنتی ہے تو صرف علم کی وجہ سے. آپ خود کو کمزور نہ

سمجھیں، حقیر نہ جانیں. حقارت محسوس نہ کریں، احساس کمتری کا شکار نہ ہوں کہ ہم تو بہت کمزور ہیں ، دنیا کی شان و شوکت ہمارے پاس نہیں ہے، یہ ناشکری ہےاوراس عظیم نعمت کی ناقدری ہے

بر خود نظر کشاد ز تہی دامنی مرنج

درسینہ تو ماہ تمام نہادہ اند

یہ بڑے بڑے دنیادار اور حکمران چاہے یلسن ہو چاہے کلنٹن ، پاکستان کا نواز شریف ہو یا بے نظیر یہ تو تمہاری گرد کے برابر بھی نہیں. آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے. اس کی ناقدری نہ کریں. اللہ تعالیٰ نے آپ کو وراثت نبوی کے منصب پر فائز کیا ہے. حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ فرشتے طالب علم کے لئے پر بچھاتے ہیں کہ یہ علم حاصل کرنے حقانیہ جارہا ہے. آپ کوئٹہ سے چمن سے ، وزیرستان ، افغانستان ، تاجکستان ، داغستان سے یہاں پہنچے ہیں. فرشتوں کے پروں پر سے گزر کر یہاں پہنچے ہیں. جب طالب علم ،علم کے راستے پر چلتا ہے تو حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں. آپ نے شکریہ ادا کرنا ہے ، عاجزی کرنی ہے ، رونا گڑگڑانا ہے. تکبر نہیں کرنا ، علم خدا کی صفت ہے جسمیں یہ صفت آجائے تو اس میں عالی صفات کا وجود ضروری ہے. ہمارے مولانا رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ایک آئینہ ہے اس کو سورج کے سامنے رکھیں تو اس میں سورج کی صفات آئیں گی ، وہ روشنی بھی دیتا ہے جب یہ آئینہ سورج کا مظہر بن جاتا ہے. تصریف بھی آجاتی ہے حرارت بھی آجاتی ہے سورج کو دیکھیں تو آنکھیں چندھیا جاتی ہے. وہ آئینہ بھی صرف نظر کرتا ہے. اب اگر آپ میں تکبر ہے ، انانیت ہے ، فرعونیت ہے تو پھر تو وہ صفات نہ آئیں گی جو اللہ کی صفات ہیں. خود کو علم کا مظہر اتم بنالیں. کردار میں ، گفتار میں ، نشست و برخاست ، ہر چیز میں سنت رسولؐ کا اتباع کریں گے ، عاجزی اختیار کرنی ہے. آپ کا مقام بہت بلند اور عالی ہے. طالب علم کا مقام مجاھد سے بھی برتر ہے. علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ کون افضل ہے. مجاہدین یا طالب علم. امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ وغیرہ نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ کون افضل ہے. ان دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طالب علم کا مقام مجاہد سے بھی افضل ہے. جہاد بہت بڑا عمل ہے کوئی عمل اس کے برابر نہیں. مجاہدین کا چلنا پھرنا ، کھانا پینا ، بول و براز سب کچھ عبادت ہے. لیکن اس کے باوجود ایک طالب علم جو دین سیکھنے کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اسکا مقام و مرتبہ اس مجاہد سے بھی اونچا ہے کیونکہ اگر جہاد قائم ہے تو ان علوم کی برکت ہے. یہ قرآن و حدیث اس میں جہاد کے مباحث کتاب المغازی وغیرہ نہ ہوتے تو جہاد کا جذبہ ، ولولہ اور عمل کیونکر ثابت ہوتا. ان سب کا ذریعہ یہی علم ہے. علم ہی ہے جو یہ بتاتا ہے کہ جہاد کن صورتوں میں فرض عین ہوجاتا ہے ، کن صورتوں

میں واجب و مستحب بن جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی حالات اس قسم کے بن جاتے ہیں کہ نفیر عام کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور پھر مرد و زن سب کے لئے نکلنا واجب ہوجاتا ہے اور اس وقت سب سے بڑا عمل یہی جہاد کا ہوتا ہے۔ ورنہ عام حالات میں طالب علم کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کا دوران طالب علمی، ہر عمل اللہ تعالیٰ عبادت میں شمار کرتے ہیں۔ اس علم ہی کی بدولت اسلام کی شان و شوکت قائم ہے۔ جہاد افغانستان کی برکت سے۔ امریکہ کو اور ساری دنیا کو معلوم ہوگیا ہے کہ جہاد ایک بہت بڑی قوت ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ جہاد کے سرچشمے کیا ہیں۔ انگریز کو یہ معلوم نہیں تھا۔ ان کی نظر مدارس پر نہیں پڑی تھی۔ ہمارے اکابر مسجدوں میں اور درختوں کے نیچے بیٹھ گئے اور درس شروع کیا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ اکابرین نے مدرسے قائم کیئے۔ ہمارے اکابرین کی بڑی گہری نظر تھی۔ امریکہ و یورپ دوسو سال بعد اس بات کو سمجھ گئے کہ ہماری بربادی اور تباہی کی اصل بنیاد کیا تھی۔ ہمارے اکابرین سمجھ گئے کہ اب بزور تلوار انگریز کا مقابلہ مشکل ہے۔ تو انہوں نے دفاعی انداز اختیار کیا۔ قرآن و حدیث کا درس شروع کیا۔ مدارس قائم کیئے کہ دین محفوظ ہوجائے۔ جب دین محفوظ ہوگیا تو پھر سب کچھ آسان ہے۔ جہاد بھی آسان ہوگا۔ اور نفاذ شریعت بھی۔ ان مدارس سے فضلاء نکلے اور سو ڈیڑھ سو سال میں انگریز سے ہندوستان آزاد کرالیا۔ امریکہ کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ روس کیونکر تہس نہس ہوگیا۔ ٹینک، توپ اور ہوائی جہاز وغیرہ کچھ کام نہ آئے۔ ایٹم بموں کے ذخائر دھرے کے دھرے رہ گئے۔

طالب علم نکلے اکوڑہ سے کوئٹہ سے، چمن سے اور خالی ہاتھ روس کا مقابلہ کیا۔ اور برکت جہاد سے روس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ سینکڑوں طلباء جو آج سابقہ روس کے مختلف علاقوں سے آکر دارالعلوم میں دین سیکھنے آئے ہوئے ہیں۔ چیچنیا میں جو آج سروں پر کفن باندھ کر ماسکو کا مقابلہ کررہے ہیں۔ تو یہ کیا چیز ہے، یہی علم ہی تو ہے جس نے جذبہ شہادت اور جذبہ جہاد کو ابھارا ہے۔ آج امریکہ کہتا ہے کہ یہ دینی مدرسہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے، ان کو خوب معلوم ہوگیا ہے۔ تجزیہ کیا ہے، تحقیقات کی ہوئی ہیں کہ جب تک یہ طالب و ملا رہے گا اور یہ مدرسہ رہے گا تو جہاد بھی ہوگا اور جب تک جہاد ہوگا، دنیا پر ہمارا قبضہ نہیں ہوسکتا۔ تو اگر طالب علم باقی نہ رہے گا تو جہاد کہاں ہوگا؟ بوسنیا، مصر، الجزائر اور فلسطین میں جہاد کیوں کر ہوتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسلام کی شان و شوکت جو ہے وہ جہاد ہے۔ اور جہاد کی بنیاد ہی طالب علمی ہے۔ آپ کے آگے بہت بڑا چیلنج ہے۔ آپکا مقابلہ روس اور امریکہ جیسی قوتوں کے ساتھ ہے۔ ہندوؤں اور یہودیوں کے ساتھ ہے۔

ان کو یہ نواز شریف، بے نظیر، حسنی مبارک وغیرہ دشمن نظر نہیں آتے. وہ سمجھتے ہیں کہ جس میں دین کا علم نہیں وہ ہمارے غلام ہیں اور یہ حکمران تو ان کے غلام ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں ہیں. یہ ملک و ملت کو بیچنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں. امریکہ سمجھتا ہے کہ یہ خوار و زار طالب علم جو حقانیہ میں بیٹھا ہوا ہے، یہ میری غلامی قبول نہیں کرتا. اسکو میرا غلام بننا گوارا نہیں. یہی ہمارا دشمن نمبر ایک ہے. طالب علم اور مدرسہ کے ساتھ ان کا اعلان جنگ ہے. یہ اعلان جنگ پہلے اتنا کھل کر نہیں ہوا تھا. اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ملا اور طالب علم کو ختم کردو، یہ داڑھیاں، یہ پگڑیاں ہمارے لئے خطرناک ہیں یہ مدارس ہمارے خلاف فوجی چھاؤنیاں ہیں. تو واقعی یہ مدرسہ چھاؤنیاں ہیں اور پورے کفر کے خلاف آپ کی تربیت کرتی ہیں، آپ کو تیار کرتی ہیں. ایک معمولی دشمن کے لئے ایک فوج کتنی تیاری کرتا ہے اور آپکا مقابلہ تو مادی اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی قوتوں کے ساتھ ہے. آپ نے دن رات تیاری کرنی ہے. خود سے ہر ایک نے ایٹم بم بنانا ہے. آپ اللہ کے دین کے سپاہی، دنیا کے مظلوم اقوام کی نظریں آپ پر لگی ہوئی ہیں. ایک ایک منٹ ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے، فضول گپ شپ میں وقت ضائع کرنے کے متحمل آپ نہیں ہوسکتے. طالب علم کا وقت بہت ہی قیمتی ہے، ایک ایک منٹ آپکا سال سے زیادہ قیمتی ہے. اب تو آپ فارغ ہیں، پھر یہ فراغت نہیں رہے گی دنیا کی ساری ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر ہونگی آپ کے ضائع شدہ وقت کی تلافی نہیں ہوسکتی.

حضرت قتادہؒ روتے تھے کہ قضائے حاجت اور کھانے پینے پر وقت کیوں ضائع ہوتا ہے. حضرت امام ابو یوسفؒ کا آخری وقت تھا، نزع کی کیفیت تھی لیکن اس حال میں بھی دین کا ایک مسئلہ زیر بحث تھا، ساتھیوں نے کہا کہ تکلیف میں کیوں پڑتے ہیں، ساری عمر لاکھوں مسائل کا استخراج کیا ہے اب یہ وقت تو ایسا نہیں کہ آپ اس میں بھی علمی مسائل بیان کررہے ہیں. آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کی پوری تنقیح ہوجائے. اسی اثنا میں نماز کا وقت آیا، عیادت کرنے والے مسجد کی طرف نماز کے لئے چلے. پیچھے سے عورتوں کے رونے کی آواز بلند ہوئی. سمجھ گئے کہ امام وقت کا وصال ہوگیا تو یہ حال تھا ائمہ کرام کا. آپ دور دور سے حدیث سننے آئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی کام میں مصروف ہوں اور یہاں درس جاری ہو. علماء کرام ایک ایک حدیث کے لئے کس قدر مشقت اٹھاتے تھے. آپ کے لئے تمام ذخیرہ حدیث یک جا جمع ہے. صحابہ کرامؓ، حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر سیکھتے تھے. جب ان کو معلوم ہوجاتا کہ فلاں شخص کے پاس ایک حدیث ہے جو ہم نے خود حضورؐ سے نہیں سنی، تو سفر شروع کردیتے تھے اور اس ایک حدیث کے سننے کے لئے اس شخص کے

پاس جاتے حضرت جابرؓ ، حضرت انسؓ کے برابر ایک صحابی ہیں ۔ ان کو معلوم ہوجاتا ہے کہ شام میں حضرت عبد اللہ ابن انیسؓ ایک صحابی رسولؐ ہیں ، ان کے پاس ایک حدیث ہے ، یہ حدیث حضرت عبد اللہ ابن جابرؓ کو معلوم ہے لیکن انہوں نے حضورؐ سے خود نہیں سنی ہے اور حضرت عبد اللہ ابن انیسؓ نے خود سنی ہے تو اس ایک حدیث کی سند متصل کرنے کے لئے وہ مدینہ سے دمشق تک کا سفر کرتے ہیں تو سند کا اتصال ضروری ہے ۔ یہ نہیں کہ حضرت مفتی محمد فرید صاحب درس کے آخر میں دعا کرتے ہیں ، آپ صرف اس دعا میں شرکت کریں ۔ آپ ایسا کریں گے تو کام نہیں بنے گا ۔ کتنی حدیثیں بے سند آپ سے چلی جائینگی ۔ علماء کرام نے ایک ایک حدیث کے پیچھے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں ، کس قدر اسفار کئے ہیں ۔ آپ اندازہ نہیں لگاسکتے ۔ آج جو احادیث کے ذخائر مجتمع شکل میں کتابوں کی صورۃ میں ہمارے سامنے موجود ہیں ۔ ان کے جمع کرنے پر کسی قدر محنت ہوئی ہے ۔ آپ **اپنے ضائع شدہ وقت کی تلافی پھر نہیں کرسکیں گے ۔ اوقات کی قضا ممکن نہیں ۔ دیکھیں ایک تو اللہ کے** حقوق ہیں **اور ایک اوقات** کے اپنے حقوق ہیں ۔ **ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حقوق اللہ ضائع ہوگئے تو ان کی** تلافی اور قضا ممکن ہے ۔ نماز مثلاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے ۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے قضاء ہوگئی تو دوسرے وقت پڑھ لیں گے ۔ اسی طرح روزہ کی قضا ہے جو اس سال رہ گیا تو دوسرے سال رکھ لیں گے ۔ حقوق اللہ فی الاوقات کی قضاء ممکن ہے ، لیکن جو وقت چلا گیا اس کی قضاء ممکن نہیں ، کسی بھی قیمت پر ممکن نہیں ۔ علم جو ہے وہ تکالیف کے ساتھ حاصل ہوتا ہے ۔ حصول علم کے دوران تکالیف آئیں گی ۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں العلم عز لاذل فیہ یحصل بذل لا عز فیہ ، یعنی علم بہت بڑی عزت ہے اس میں زلت نہیں ۔ والذین اوتو العلم درجات ، لیکن حاصل ہوگا ذلت اٹھاکر جسمیں عزت نہ ہوگی ۔ اصحاب صفہ کیا تھے ۔ ان کی حالت کا اندازہ تو لگائیں ۔ آپ کی طرح طلباء تھے اللہ چاہتے تو دنیا کے خزانوں کا انبار ان کے آگے لگا دیتے لیکن وہ کیا کیا تکلیفیں اٹھا رہے تھے ۔ بھوک تھی ، پیاس تھی ۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم بھوک کی وجہ سے بےہوش ہوجاتے ۔ اور لوگ ہماری گردنوں پر پیر رکھتے تھے کہ ان کو جنون ہوگیا ہے ۔ دیوانے ہوگئے ہیں ۔ و ما ھوالا الجوع اور یہ جنون نہیں تھا بلکہ بھوک کی وجہ سے ہم نڈھال ہوکر بےہوش ہوجاتے تھے ۔ اصحاب صفہ اسلام کے اولین طالب علم ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں سبق پڑھتا تھا جب بھوک زیادہ لگ جاتی تو چلا جاتا ۔ ایک یہودی کے باغ میں جاکر مزدوری طلب کرتا وہ یہودی کچھ کام دیے دیتے ۔ فرماتے ہیں میں پانی نکالتا جب ایک مٹھی کھجور جمع ہوجاتیں تو مزدوری ختم کرکے واپس مسجد نبوی آجاتا کہ بس یہ کھجور میری بھوک ختم کرنے کے

لئے کافی ہیں۔

تو میرے بھائیو! ان تکالیف کے لئے خود کو تیار کرلو۔ ہمارے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ ان کو جو یہ مقام ملا ہے تو یہ ایسے نہیں مل گیا۔ بہت تکالیف اٹھائی ہیں، انہوں نے۔ امام بخاریؒ سے سبق میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن درس میں حاضر نہ ہوسکے، ساتھی پریشان ہوگئے کہ کیا بات ہوگئی ہے، چلے دروازہ کھٹکھٹایا، وہ دروازہ نہیں کھول رہے تھے، ساتھی مزید پریشان ہوئے کہ یہ کیا بات ہے، آپ نے اندر سے آواز لگائی کہ براہ خدا مجھے شرمندہ نہ کریں، بہت مجبور ہوئے تو کہا میرا صرف یہی کپڑوں کا ایک جوڑا ہے جوکہ بہت میلے ہوگئے تھے، میں چاہتا ہوں کہ ان کو دھولوں تو میں خود کو گھر میں بند کرکے یہ کپڑے دھورہا ہوں اور انکے خشک ہونے کا انتظار کررہا ہوں کہ جب خشک ہوجائیں تو پہن لوں گا۔ حضرت امام مالکؒ اپنے گھر کی ایک ایک شہتیر نکال کر بیچتے تھے اور اس پر گزارہ کرتے تھے۔ ہمارے اکابرین دیوبند جن کے ہم سب شاگرد ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ یہ دہلی میں رات کو بازار چلے جاتے تھے اور سبزی کے دوکاندار کے آس پاس سے اس سبزی میں سے جن کو دوکاندار خراب سمجھ کر پھینک دیتے تھے تو اس سبزی میں سے کچھ ٹماٹر وغیرہ جمع کرکے استعمال کرتے تھے۔ بجلی نہیں تھی، تیل کے پیسے نہیں تھے، دہلی میں جابجا حکومت نے گلیوں میں جو روشنی کا انتظام کیا ہوتا تو اس کے قریب بیٹھ کر مطالعہ کرتے تھے۔ ہمارے والد محترم ہمیشہ یہ بات کرتے تھے کہ میں دارالعلوم دیوبند پڑھنے کے لئے گیا تو وہاں روٹی کا انتظام نہیں تھا۔ تو ایک طالب علم تھا غزنی کا، اس نے کہا کہ آپ واپس نہ جائیں، یہیں پڑھیں میں ایک وقت کی روٹی آپ کو دیا کروں گا، تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس طالب علم کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے کہ یہ سب صدقہ جاریہ اس گمنام طالب علم کا ہے۔ پہلے دارالعلوم میں اس قسم کی سہولتیں نہیں تھیں، اب تو الحمدللہ بڑی فراخی ہے۔ آپ اپنے بڑوں سے پوچھ لیں۔ یہ حضرت مولانا عبد الغنی صاحب موجود ہیں، ان سے پوچھ لیں، انہوں نے کس قدر مشقت اور محنت سے یہاں علم حاصل کیا ہے۔ یہ غسل خانے، پانی کا یہ انتظام نہیں تھا۔ پانی نہیں تھا اور بجلی کے پنکھے نہ تھے۔ دارالعلوم میں اب تو الحمدللہ کافی آرام و راحت ہے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ ہمیں احساس ہے، لیکن اب بھی دارالعلوم مشکلات میں ہے۔ مالی لحاظ سے شدید بحران ہے۔ یہ جو تعمیرات کا سلسلہ جاری ہے، تو یہ دارالعلوم کے چندوں سے نہیں چل سکتا۔ یہ میں نے خود ایک طریقہ کار بنایا ہوا ہے۔ سینٹ اور قومی اسمبلی کے ہر ممبر کو ترقیاتی سکیموں کے لئے مخصوص فنڈز ملتے ہیں۔ تو میں نے اپنے فنڈز یہاں دارالعلوم میں تعمیرات پر لگا

دیئے ہیں، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رقم بجائے سڑکوں اور ندی نالوں کی تعمیر پر یہاں لگے تو بہتر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کی فلاح کے کام آئے تو بہتر ہے۔ اور اب تو حکومت اس میں بھی رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے۔ اصل میں دارالعلوم کا کاروبار اللہ کے فضل اور مخیر حضرات کے عطیات اور زکوٰۃ اور تعاون پر چل رہا ہے۔ کسی بھی حکومت کی کوئی امداد دارالعلوم کے ساتھ نہیں ہے۔

اب تو طلباء کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے اور مہنگائی کا حال تو آپ کو معلوم ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ طلباء اس قدر دور دور سے آئیں اور یہاں داخلہ سے محروم رہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے وہ ضرور ہماری مشکلیں آساں فرمائیں گے۔ اب تاجکستان، چیچنیا وغیرہ سے طالب علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سیکھنے آتے ہیں۔ ہم اب کیسے ان کو واپس کریں۔ دل نہیں چاہتا کہ کوئی طالب علم بغیر داخلہ کے واپس جائے لیکن کیا کریں دارالعلوم انتہائی مشکلات میں ہے، پہلے اگر ایک ہزار لگتے تو اب دس ہزار میں بھی کام نہیں چلتا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ اس دفعہ داخلہ بہت محدود رکھیں گے لیکن پھر بھی گنجائش سے بہت زیادہ طلباء کو داخل کیا۔ اور جن طلباء کو داخلہ نہ مل سکا تو وہ ناراض نہ ہوں۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور معذرت کرتا ہوں۔ بہت مجبوری کی بناء پر ہم نے داخلہ بند کردیا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس وسائل بہت محدود ہیں۔ میری تو خواہش ہوتی ہے کہ ہر طالب علم کو علیحدہ علیحدہ کمرہ ملے، لیکن ایسا تو مشکل ہے۔ آپ کو ایثار سے کام لینا ہے۔ ۳ کی بجائے ۴ ایک کمرہ میں گزارہ کرلیں۔ طعام الواحد یکفی للاثنین و طعام الاربعۃ یکفی الاربعۃ۔ دو طالب علم گزارہ کریں تو دو طلباء کو جگہ دے سکتے ہیں۔ اس طالب علم کے علم کا ثواب آپ کو ملے گا۔ وہ صدقہ جاریہ ہوگا آپ کے لئے اور ایک بات یہ کہ دارالعلوم کا مفاد پیش نظر رکھیں۔ بجلی کی بہت بڑی مصیبت بنی ہوئی ہے۔ ان ایجنٹوں نے ملک کو امریکہ کے ہاتھ فروخت کردیا ہے۔ تمام وسائل سود کی شکل میں امریکہ پہنچ رہے ہیں۔ اس دفعہ دارالعلوم کی بجلی کا بل ۸۰ ہزار روپے آیا ہے۔ پچھلے سال ۸۰ ہزار سے زائد آیا تھا۔ یہ حال ہے بھائیو! دارالعلوم ملت کی امانت ہے جسکی حفاظت سب کی ذمہ داری ہے۔

ایک صحابی شہید ہوئے صحابہ نے فرمایا کہ مبارک ہو مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو تو میں جہنم میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مال غنیمت سے ایک رومال اٹھایا تھا شیطان آدمی کو فتوے دیتا ہے اور تاویلوں کے انبار لگا دیتا ہے۔ اس کو تلبیس ابلیس کہتے ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ نے مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس کے اوپر تو جس چیز کی مدرسہ کی طرف سے اجازت ہے اس کا استعمال آپ کے لئے جائز ہے۔ اسی طرح دارالعلوم کی ہر چیز کا خاص خیال رکھیں یہ سب آپ

کا مشترکہ گھر ہے۔ جابجا گندگی نہ ڈالیں۔ اسی طرح دیواروں کے اوپر لکھائی وغیرہ مت کریں۔ اس بات کا اپنے اپنے احاطوں میں خود اہتمام کرلیں، کوڑا کرکٹ وغیرہ بے جا نہ پھینکیں۔ آپ نے خود اس بات کا خیال رکھنا ہے۔ اب دارالعلوم کے لئے تو دو ہزار طلباء کے لئے صفائی کا انتظام مشکل ہے۔ اپنے اپنے کمروں اور احاطوں کی صفائی کریں۔ یہاں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں دور دور سے باہر ملکوں کے لوگ یہاں آتے ہیں وہ آپ کو اور آپ کے اخلاق کا معائنہ کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں ہالینڈ سے لوگ آئے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو دنیا میں انقلاب لا رہے ہیں۔

جب وہ آپ کی بے ترتیبی دیکھیں گے تو بہت زیادہ بدظن ہونگے۔ اپنے کپڑے صاف ستھرا رکھیں۔ صفائی ایمان کا حصہ ہے، حدیث پڑھنے آتے ہیں تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں اور اس مجلس کے آداب کا خیال نہیں رکھیں گے تو آپ سوچیں ہوگا کیا؟ خوشبو لگاکر بیٹھیں۔ حضرت امام بخاریؒ ایک ایک حدیث کے لئے غسل کیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ ایک ایک حدیث کے لئے کس قدر اہتمام کرتے تھے۔ کتابوں کا بھی مسئلہ ہے۔ بعض طلباء سال کے آخر میں بے احتیاطی کرتے ہیں، پچھلے سال شعبان میں ہم نے حساب لگایا تو دو سو طلباء ایسے تھے جنہوں نے سال کے آخر میں کتابیں واپس نہیں کی تھیں۔ اصل مدارس میں کتابوں کی قیمت ضمانت میں رکھے ہیں۔ ہزار بارہ سو روپیہ مجھے بھی بعض ساتھی یہ مشورہ دے رہے تھے کہ ایسا کریں لیکن ہمیں احساس ہے کہ آپ میں سے اکثریت غریب طلباء کی ہے تو ہم نے اس سے صرف نظر کیا مگر آپ کو تو اپنی ذمہ داری کا خیال کرنا ہوگا۔

باقی انشاء اللہ آپکے اساتذہ وقتاً فوقتاً آپ کو ہدایات دیتے رہینگے چونکہ وقت کم ہے۔ اس لئے دعا کریں کہ اللہ کریم ہم سب کو دین پر قائم رہنے اور علم دین کی خدمت کی توفیق دے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر اور پتہ صاف صاف لکھا کریں

گائے کی قربانی میں حصہ لیجئے

****

ملک بھر کی قدیم اور معروف دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ نے حسبِ معمول اس سال بھی گائے کی قربانی کا معقول انتظام کیا ہے قربانی کے اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کے لیے جامعہ حقانیہ کے دفتر سے رجوع فرمائیں جامعہ میں تینوں دن گائے کی قربانی کا انتظام کیا جاتا ہے خواہشمند حضرات سے درخواست ہے کہ پہلے آئیں اور پہلے پائیں کی بنیاد پر حصہ ڈال کر عنداللہ سرخرو ہوں۔

اپیل

جامعہ میں زیرِ تعلیم ڈھائی ہزار طلبہ کی دینی تعلیم و تربیت میں حصہ لینے کے لیے چرمہائے قربانی یا ان کی قیمت صدقات و عطیات وغیرہ سے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ آپ کے شہر میں آئے ہوئے ان مہمانانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور نصرت آپ کے لیے صدقہ جاریہ بنے گی۔

الداعی الی الخیر (مولانا) سمیع الحق مہتمم جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

حافظ محمد اقبال رنگونی

امریکہ کی اسلام دشمنی کا کھلا اظہار

امریکہ اور یورپ کا کردار عالمی امن کیلئے بہت بڑا خطرہ ہے

پاکستان کے لیے نئے امریکی سفیر مسٹر ٹامس سائمنز نے گزشتہ روز اپنے عہدے کا حلف اٹھا لیا اسی حوالہ سے منعقدہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ امریکہ کے بہت سے قابل تشویش مسائل ہیں جو امریکہ اور پاکستان کے تعلقات میں بہت اہمیت رکھتے ہیں انہوں نے اس سلسلے میں علاقائی استحکام ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں کے پھیلاؤ۔ بین الاقوامی دہشت گردی۔ منشیات کے ناجائز کاروبار۔ انسانی حقوق کا احترام کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ کہا کہ۔

ہمیں اسلام کے کردار پر تشویش ہے

اس تقریب میں امریکی نائب وزیر خارجہ اور دیگر اہم وزراء بھی موجود تھے۔ امریکی نائب وزیر خارجہ نے کہا کہ صدر کلنٹن اور وزیر اعظم بے نظیر کے خیالات میں ہم آہنگی سے دونوں ملکوں کے قریبی دوستانہ تعلقات مزید مستحکم ہوں گے۔ (جنگ لندن ۸ جنوری ۹۶)

پاکستان کے لیے امریکہ نے جس سفیر کو متعین کیا ہے آپ اس کے بیان سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ موصوف پاکستان میں کس قسم کی خدمات اور کس قسم کے تعلقات مستحکم کرنے کے لیے تشریف لا رہے ہیں اور یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آنی چاہیئے کہ اس وقت امریکہ اسلام کے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتا ہے اور اس نے عالم اسلام کے لیے کیا پالیسی تیار کی ہوئی ہے نیز اپنے حواریوں کے ذریعہ کس قسم کا کردار ادا کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔

امریکی سفیر نے اس اہم تقریب میں کھلے عام اسلام کے سلسلے میں امریکی پالیسی کا اظہار کر دیا ہے کہ جس طرح امریکہ کو بین الاقوامی دہشت گردی۔ منشیات کے کاروبار۔ ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ میں روز بروز ہونے والے اضافہ پر گہری تشویش ہے ٹھیک اسی طرح امریکہ کو حال اور مستقبل کی دنیا میں اسلام کے کردار پر بھی خاصی تشویش ہے اور یہ گویا ان اہم مسائل میں سے ایک ہے جن پر اب صرف غور ہی نہیں بلکہ عملی اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔

امریکی سفیر کا منشیات ۔ دہشت گردی اور اس قسم کے قبیح افعال کو اسلام کے ساتھ ایک ہی ترازو
تولنا اور کھلے لفظوں میں ان کے خلاف اپنی تشویش کا اظہار کرنا اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ امریکہ
سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد اب اسلام کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھ رکھا ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ اگر اسلام
اسی طرح اپنا حلقۂ اثر بڑھاتا چلا گیا تو پھر امریکی ایوانوں میں ایک ایسی کھلبلی مچ جائے گی جس سے پھر امریکہ اور
اس کے حواریوں کا سنبھلنا ناممکن بن جائے گا ۔ چنانچہ اس نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جس شدت سے
بیان بازی اور پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے وہ شاید ہی کسی پر مخفی ہو ۔ گزشتہ چند سالوں سے امریکہ اور
یورپ نے اسلام کو بدنام کرنے کی جو مہم اٹھائی ہے اور حقائق کا چہرہ مسخ کرنے کی جو سازش کی ہے اس
سے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ مستقبل میں امریکہ اسلام کے خلاف کیا کردار ادا کرنا چاہتا ہے ۔

امریکی سفیر کا یہ بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب پوری دنیا میں اسلام کا نام گونج رہا ہے
اور اسلام اپنا حلقہ وسیع سے وسیع تر کرتا جا رہا ہے ۔ جن ممالک میں اسلام کا نام لینا بھی جرم تھا جہاں اللہ
کی صدا دینا جان جوکھوں کا کام تھا آج انہی ممالک میں خدا کا علی الاعلان نام لینے والے ایک دو نہیں ہزاروں
کی تعداد میں نظر آتے ہیں ۔ ان گلیوں میں اللہ اکبر کے نعرے لگائے جا رہے ہیں ۔ مساجد آباد ہو رہی ہیں ۔
جن علاقوں میں لوگ زیارت قرآن کے لیے بیتاب تھے آج وہاں تلاوت قرآن کے ولولے اور غلغلے ہیں اور ہر
آنے جانے والا قرآن کی تلاوت سے محظوظ ہو رہا ہے ۔ گویا اب اسلام ان گھرانوں میں بھی داخل ہو گیا
جہاں اس کے داخلے پر سخت پابندی تھی ۔ سابق سوویت یونین کی ریاستوں پر ایک نظر ڈالیے مشرقی یورپ کے
ان ممالک کو بھی دیکھئے جنہیں روسی دانشوروں نے سالہا سال سے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا آج انہی علاقوں
میں خدا کا نام لیا جا رہا ہے ۔ اسلام سے محبت اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی آوازیں اٹھ رہی ہیں اور دشمن
اپنی لاکھ کوشش کے باوجود اس آواز کو بند کرنے کی اپنے اندر سکت نہیں پاتا ۔

امریکہ اور یورپ کی اسلام دشمنی کوئی پوشیدہ بات نہیں اللہ کی قدرت کہ اسی امریکہ اور یورپ میں اسلام
کی آواز گھر گھر پہنچ رہی ہے اور اسلام کا پیغام ہر بے چین اور مضطرب دل کو پیغام سکون دے رہا ہے
اسلامی عقائد کی نظافت و نزاکت اور اسلامی اعمال و اخلاق کی لطافت نے ہزاروں بے دینوں اور ملحدوں
کو اسلام کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا ہے ۔ یورپ اور امریکہ کی اپنی عبادت گاہیں ویران ہیں یا مسمار
کر دی گئیں ہیں جب کہ انہی ممالک میں مساجد و مدارس اسلامک سنٹر اور مکاتب میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے
جہاں ایک طرف مسلمان بچوں میں اسلام سے محبت کا جذبہ بیدار ہوا وہیں غیر مسلم نوجوانوں کے دلوں میں بھی اسلام
نے اپنے لیے جگہ بنالی ہے اور وہ بھی آہستہ آہستہ اسلام کے قریب ہو رہے ہیں ۔ برطانیہ کی اخبارات گواہ

ہیں کہ یورپ میں مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور ہر آئے دن کسی نہ کسی کے قبول اسلام کی خبر ملتی ہے۔

اس صورت حال نے امریکہ اور یورپ اور دیگر متعصب حکمرانوں اور دانشوروں کو ایک عجیب مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ یورپ کے اخبارات بھی اس مسئلے پر کافی پریشان دکھائی دے رہے ہیں اور اپنے اپنے رسائل و جرائد میں اس حقیقت کا بادل نخواستہ اظہار کرنے پر مجبور ہیں کہ اسلام عالمی سطح پر اپنا سکہ جمانے میں کامیاب ہو رہا ہے اور پوری دنیا پر اس کی گرفت مضبوط ہو رہی ہے جب کہ اس کے برعکس عیسائیت اور الحاد کی دیواریں دن بدن کمزور سے کمزور تر ہو رہی ہیں۔ یورپ کی سیاست اس کے اخلاق و کردار اور عیسائی عقائد و اعمال نے ان کے نوجوانوں کو مذہب کی طرف راغب کرنے کی بجائے اور زیادہ اپنے سے دور کر دیا۔ یورپ کے اخبارات وقتاً فوقتاً یورپ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت پر مضامین اور تبصرے شائع کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اسلام نے موجودہ دنیا میں کیا رول ادا کیا ہے اور یورپ کی کتنی ویران عمارتوں اور ویران دلوں کو آباد کر رکھا ہے۔ ان مضامین اور تبصرے کا مقصد صرف اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت بتلانا نہیں ہوتا بلکہ اپنی اپنی حکومتوں کو متوجہ کرنا ہے کہ اگر اس مسئلے پر قابو نہ پایا گیا اور کوتاہی کا مظاہرہ ہوا تو بہت دیر ہو جائے گی ہم تم کو خبر ہونے تک۔ والا معاملہ ہوگا چند روز قبل امریکی نشریاتی ادارہ سی این این (CNN) نے امریکہ میں اسلام کے پھیلاؤ اور امریکی باشندوں میں اس کی مقبولیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اسلام نے امریکہ میں بہت اثر و رسوخ پیدا کیا ہے اس وقت امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ ملین سے تجاوز کر چکی ہے اور تبصرہ نگار کا کہنا ہے کہ ۲۰۰۰ء میں امریکہ میں عیسائیت کے بعد سب سے بڑی تعداد مسلمانوں کی ہوگی۔

ان حالات میں امریکی سفیر کا یہ بیان کہ ہمیں اسلام کے کردار پر تشویش ہے بہت غور طلب ہے۔ اس سے قبل امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن نے بھی اپنے وقت میں اپنی حریف قوت سوویت یونین سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اسلام کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے باہمی اختلافات کی شدت کو کم کرنا ہوگا اور اس سلسلے میں باہمی تعاون کی فضا پیدا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تاریخ نے دکھلایا کہ اسلام کے مقابلے کے لیے یہ سارے اپنے اختلافات ختم کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ عیسائی اور اسرائیلی رہنماؤں کا اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر ایک دوسرے سے گلے ملنا اور ہر سطح پر آپس میں تعاون کا وعدہ کرنا کسے یاد نہیں۔ حال ہی میں چرچ آف انگلینڈ کی سربراہ ملکہ برطانیہ کا کیتھولک سربراہ کی دعوت قبول کرتے ہوئے ان کی عبادت گاہ میں خصوصی شرکت کرنا کس پر مخفی ہے۔ پھر اعدائے اسلام کا بیک وقت مسلمانوں کے بارے

میں بنیاد پرست اور مذہبی جنونی کا لفظ عالمی طور پر استعمال کرتا گیا اس بات کی شہادت نہیں کہ ان لوگوں نے اسلام کے کردار کو تشویشناک اور (بقول ان کے) مہذب دنیا کے لیے خطرناک قرار دے کر باقاعدہ ایک محاذ کھول دیا ہے۔ بوسنیا کے معاملے میں یورپ اور امریکہ کا کردار ہمارے سامنے ہے۔ چیچنیا کی تازہ صورتحال ہم سب کے لیے مقام عبرت ہے۔ یہ سب تو ایک جگہ بیٹھ چکے اور ایک منظم منصوبہ بنا چکے۔ سب کی بولی ایک ہے۔ سب کا اندازہ ایک ہے۔ سب کا مقصد ایک ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کیا کبھی عالم اسلام کے قائدین نے بھی ان بیانات اور عملی اقدامات کو قابل تشویش سمجھا؟ کیا کسی اسلامی حکمران کی زبان پر یہ الفاظ آئے کہ حال اور مستقبل کی دنیا میں ہمیں امریکہ اور یورپ کے کردار پر گہری تشویش ہے۔ اور ان کے خلاف ہمیں عملی اقدامات کی ضرورت ہے؟ افسوسناک امر تو یہ ہے کہ آج اسلامی ممالک کے بعض حکمران اور وزراء وہی زبان بولنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں جو امریکہ اور یورپ نے انہیں سکھائی ہے۔ امریکی سفیر کا یہ بیان اخبارات کی شہ سرخی بنا، صفحہ اوّل پر شائع ہوا مجال ہے کہ کسی اسلامی حکمران یا کسی وزیر نے اس کے خلاف لب کشائی کی زحمت گوارا فرمائی ہو۔ (فالی اللہ المشتکی)

عالم اسلام کو امریکہ اور یورپ کے کردار پر گہری تشویش ہے

امریکہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ طاقت کے زور پر اسلام کا راستہ روک دیا جائے گا تو یہ اس کی سخت حماقت ہوگی۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کے بہت سے طاقتور حکمران اسلام کا نام مٹانے چلے تھے مگر وہ خود ہی مٹ گئے اور اسی دنیا میں انہیں نشان عبرت بنا دیا گیا۔ اسلام کا راستہ نہ کوئی روک سکا ہے نہ روک سکتا ہے اس نے اب آگے ہی بڑھنا ہے اور تمام مصنوعی اور بناوٹی مذاہب اور سیاست کو بے نقاب کرنا ہے۔ اب جو لوگ اس کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے وہ خود ہی منہ کی کھائیں گے۔ اس لیے امریکہ اور یورپ کو چاہیئے کہ اپنی اس مکروہ حرکت سے باز آجائے اور اس قسم کے تمام افعال سے اجتناب کرے جن سے خواہ مخواہ محاذ آرائی کی فضا پیدا ہو اور اس میں نقصان بھی خود انہیں کا ہو۔

عالم اسلام کے تمام قائدین کو بھی امریکہ اور یورپ کے اس کردار پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے عالمی سطح پر یہ بات اٹھانی چاہیئے کہ اس وقت امریکہ اور یورپ کا کردار عالمی امن کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے ان کی گندی سیاست اور زیادتیوں نے دنیا کا سکون برباد کر رکھا ہے۔ ضروری ہے کہ عالم اسلام کے قائدین اور دانشور امریکہ کے اس کردار کو بے نقاب کریں۔ اور اعدائے اسلام نے جس شدت کے ساتھ اسلام کے خلاف بیان بازی شروع کر رکھی ہے اسی شدت سے اسلام کی خوبیوں اور اسلام کے پیغام امن کو عام کرنے

کی کوشش کریں ۔ عالم اسلام کے قائدین نے اگر تھوڑی سی توجہ دی تو انشاء اللہ العزیز پوری دنیا پر یہ بات کھل جائے گی کہ انسانیت کا دشمن کون ہے؟ دنیا کو کس کے کردار سے خطرہ ہے؟ انسانیت کا ہمدرد کون ہے؟ کس کے پاس امن وسلامتی کا پیغام ہے؟ اور کس کا کردار قابل تشویش ہے ۔؟

اگر عالم اسلام کے قائدین نے اپنی روش نہیں بدلی ۔ اپنی سلطنتوں اور کرسیوں کو بچانے کے لیے اعدائے اسلام کے ہاتھوں کھیلنا اور ان کے خیالات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے دن رات جدوجہد کرنا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تو پھر یاد رکھیے خدا کے ہاں دیر تو ہے پر اندھیر نہیں ۔ اس نے پہلے ہی خبردار کر دیا ہے کہ ۔

وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (پ ۲۶ سورہ محمد ۳۸)

ترجمہ : اگر تم روگردانی کروگے تو (اللہ تعالیٰ) تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے ۔ (ایک جگہ ارشاد فرمایا ۔)

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلہ علی المومنین اعزہ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومہ لائم ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم (پ ۶ المائدہ ۵۴)

ترجمہ : سو اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو (وجود میں) لے آئے گا جنہیں وہ چاہتا ہوگا اور وہ اسے چاہتے ہونگے ایمان والوں پر وہ مہربان ہونگے اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہونگے ۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے عطا کرے اور اللہ بڑا وسعت والا بڑا علم والا ہے ۔

یہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ۔ اس کا ہر ارشاد پختہ اور اس کا ہر وعدہ سچا ہے ۔ سمجھ لے جسے سمجھنا ہو ۔ وما علینا الا البلاغ المبین (۲ جنوری ۹۶ء)

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف صاحبؒ

صفاتِ الٰہیہ

— مولانا مرحوم نے وفات سے قبل یہ تحریر بھیجی تھی جو کاتب کے بستہ نسیان میں پڑی رہی اب موصول ہوئی جو ہر لحاظ سے نافع ہے ۔ —

اس عالم میں ہر چیز اپنے خصوصی خصائص وصفات سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان ومعرفت اس کی صفات واسماء سے ہی ہوسکتی ہے۔ حضرت سیّد صاحب قدس سرّہٗ ارقام فرماتے ہیں ۔

"دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ "ہم نے آدمؑ کو سب نام سکھائے"۔ دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچی، مگر غور کیجئے تو ناموں کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھے۔ یہی ہماری حقیقت رہی ہے اور یہی ہمارا فلسفہ ہے ہم اپنے مفروضہ اصولِ منطقی کی بناپر ذاتیات اور حقائق کے مُدعی بن گئے ہیں۔ لیکن ہزاروں صدیاں گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حد منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کرسکے۔ جو کچھ کرسکے وہ یہ کہ صفات وعوارض اور خواص کے مختلف رنگوں سے نئی نئی طفلانہ شکلیں بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ جب مادیات کا یہ عالم ہے تو وراء الوراء ہستی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا تحمل کیونکر کرسکتی ہے۔ تجلّی گاہ طور اسی رمز کی آتشیں تصویر ہے۔

ہم خدا کو بھی اس کے ناموں، اس کے کاموں اور اُس کی صفتوں ہی سے جان سکتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں (عرب کے جاہلوں) کو اسی نصابِ انسانی کے مطابق تعلیم دی ..... تعلیمِ محمدیؐ ... نے آگاہ کیا۔ کہ خدا کے اسماء وصفات کی کوئی حد نہیں اس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جاسکتا ہے

قُلِ ادْعُوا للّٰہَ اَوِادْعُوا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰیط (اسرائیل - ۱۲)

کہدو (اے پیغمبر) کہ (خدا) کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، سب اچھے نام اسی کے ہیں ۔

..... آپؐ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہیں۔ اور اس کی باتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ آپؐ نے یہ دعاء سکھائی، "اے خداوند تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے، جو تو نے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب میں اتارا یا کسی مخلوق کو سکھایا، یا اپنے لیے اپنے علم غیب میں اس کو چھپا رکھا، میں تجھ سے مانگتا ہوں ۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ الہامی دُعا تعلیم ہوئی۔ خداوندا! میں تیرے سب اچھے ناموں کے وسیلہ سے جن میں سے کچھ کو ہم نے جانا اور جن کو نہیں جانا تجھ سے درخواست کرتا ہوں"۔...

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لیے ہیں۔ اور اسی کو زیبا ہیں۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ (طٰہٰ۔۱)

نہیں ہے کوئی معبود، لیکن وہی اللہ اسی کے لیے ہیں سب اچھے نام

... بڑائی کا ہر نام، اور خوبی کا ہر وصف اِسی ذات بے ہمتا کے لیے ہے، خواہ اس کو خدا کہو، یا اللہ کہو لغت اور زبان کا کوئی فرق اس میں خلل انداز نہیں.... لیکن مشرکوں کی طرح اس کو ایسے ناموں سے نہ پکارو جو اس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہیں، اور بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں سے بھی اس کو یاد نہ کرو۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ ط (اعراف۔۲۲)

اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام، اس کو ان ناموں سے پکارو، اور اُن لوگوں سے علیحدہ رہو جو اس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں۔

تعلیم محمدیؐ کا صحیفہ، وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصافِ حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ سے بھرا ہوا ہے۔ بلکہ اس کا صفحہ صفحہ خدا کے اسماء و صفات کی جلوہ گریوں سے معمور ہے۔ قرآن کریم کا کم کوئی ایسا رکوع ہوگا۔ جس کا خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو۔ اور یہ تمام اوصاف اور نام اس عشق و محبت کو نمایاں کرتے ہیں۔ جو اس محبوب ازل اور نورِ عالم کے ساتھ قرآن کے ہر پیرو کے دل میں ہونا چاہیئے....

(سیرت النبیؐ صفحہ ۴۹۰ تا صفحہ ۴۹۶ ج ۴)

صفاتِ الٰہیہ کا عقیدہ اسلام میں نرا نظریہ ہی نہیں، بلکہ الٰہی اسماء و صفات کے کچھ لازمی نتائج و تقاضے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر اسم پاک کی خاص صفت ہے۔ اور اس کی یہ صفت "ظہور" چاہتی ہے، اس خاص تقاضا و تجلّی ہے۔ یہ تقاضا و تجلی ایسے فعلِ الٰہی کو چاہتی ہے جس میں وہ خاص اسم و صفت جلوہ رہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ خالق ہیں۔ ان کی صفتِ خلق کا تقاضا ہے کہ وہ مخلوق کو پیدا فرمائیں۔ گویا اللہ تعالیٰ صفتِ خلق کی تجلی کا ظہور "مخلوق" ہے۔ وہ رازق ہیں رزاقیت ایسی مخلوق کو چاہتی ہے جسے وہ رزق دے رب ہیں ان کی ربوبیت کا تقاضا مخلوق کی پرورش کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ الملک ہیں، اور ان بادشاہی، مملکت، حکمرانی، تدبیر و تصرف، نفاذ احکام، عدل و نظم، ثواب و عتاب اور دیگر امورِ شاہی متقاضی ہے وہ حکیم ہیں۔ ان کا ہر فعل پُر حکمت ہے۔ وہ حمید و مجید ہیں۔ وہ محامد و صفات حمد کا ور انسان میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ان صفات کے ذریعہ اسے عزّ و شرف بخشتے ہیں، وہ غفور و عفو ہیں

وہ گناہوں کے صدور کے بعد اس کو اپنی مغفرت سے بخشنا چاہتا ہے۔ اور عفو و درگذر کے مناظر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ غرض ان کی ہر صفت و ہر نام اپنے ظہور کا طالب ہے۔ اور اسماء و صفات کا یہ ظہور اور اس کے آثار خلق و امر میں برابر ساری و طاری ہیں۔ اور خاصانِ خدا کے اس قول کا کہ عالم مظہر صفاتِ حق ہے یہی مدعا ہے۔ جملہ مخلوقات میں ان ہی کے اسماء و صفات و افعال کی جلوہ گری ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس بنا پر حکمت الٰہی نے اسے اپنی صفات و شیئون کا مظہر اتم بنایا ہے خلق و امر کی نیرنگیاں اس عالم اصغر میں جمع فرما کر اسے اپنی خلافت کا سزاوار بنایا اور جملہ کائنات میں اسے اپنی نیابت کے لیے چنا اور عبدیت تامہ اور معرفت خاصہ سے اسے نوازا اور مخلوقات سے استفادہ کی صلاحیتیں اس میں رکھیں۔ اور اپنی ذات عالی سے انتفاع و قربت کے طریقے اس پر کھولے۔

حضرت سید الملۃ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی کی زبان سے ..... یہ نکتہ سوجھایا۔ کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرض سرانجام دینے کے لیے آیا ہے قرآن کی ابتدائی سورہ میں آدمؑ کی خلافت کا قصہ محض داستان نہیں بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کو عیاں اور نمایاں کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے۔ اس کو فرشتوں کا مسجود بنانا گویا تمام مخلوقات کا مسجود بنانا تھا۔ اس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیاء کو اس کے تصرف میں دینا تھا، وہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے فرمان کی رو سے اس عالم میں خدا کا نائب ہے۔ اور اس کا سر خلافتِ الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے، کروڑوں مخلوقاتِ الٰہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی منتخب ہوا، یہ منصب اعلیٰ نہ فرشتوں کو ملا، نہ آسمان کو عطا ہوا۔ نہ زمین کے حصہ میں آیا، نہ پہاڑ اس کے مستحق قرار پائے، صرف انسان ہی کا سینہ تھا جو اس امانت کا خزینہ دار ہوا۔ اور اسی کی گردن تھی جو اس بوجھ کے قابل نظر آئی فرمایا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ط (احزاب - ۹)

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر، اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی، تو سب نے اس بار (امانت) کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔

وحیِ محمدیؐ نے انسان کا رتبہ یہ بتایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگیوں سے سرفراز فرمایا عالم مخلوقات میں برتر بنایا اور انعام و اکرام سے معزز کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل ۔ ۷)

ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے خشکی اور تری میں ان کو سواری دی، اور ستھری چیزوں کی ان کو روزی بخشی اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر ان کو فضیلت عطا کی۔

انسان ہی وہ مخلوق ہے جو سب سے معتدل قویٰ اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا میں پیدا ہوئی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (تین ۔ ۱)

البتہ ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا۔

یہاں تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا۔ متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا ۔ ..... ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے۔ اور آدم کی شکل اس کی نقل ہے۔ کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ق بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ انسان میں خدا کی صفات کی ایک دھندلی سے جھلک موجود ہے۔ علم قدرت، حیات سمع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سخا وغیرہ کی صفات کی ناقص مثالیں اس کے اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہیں۔ اور چونکہ انسان کے اعضا میں اس کا چہرہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار اور اس کے اکثر حواس کا مصدر ہے۔ جن سے اس کے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اعضا میں اسی کو فیضِ رحمانی کا مورد ظاہر کیا۔" (سیرت النبیؐ ص ۸۲ تا ص ۸۴ ج ۴)

دوسری جگہ مزید تشریح فرماتے ہیں۔

"گذر چکا ہے۔ کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ بحکم اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (بقرہ ۔ ۴) آدمؑ کا بیٹا زمین میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے۔ خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف ومحامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا۔ اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کرے گا۔ اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکے گا۔ یہانتک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا جب وہ سرتاپا خدائی رنگ میں رنگ کر نکھر جائے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (بقرہ ۔ ۱۶)

خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے۔

یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ

خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور ساتھ ہی اس کی تشریح بھی گذری ہے۔ کہ اس "صورت"

سے مقصود جسمانی نہیں بلکہ معنوی شکل وصورت ہے۔ یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنی صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے۔ اور اُن کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اور ان میں حدِّ بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے اور انسان کو اخلاق وصفات میں ملاءِ اعلیٰ سے تشبّہ اور ہمشکلی کا جوہر مرحمت فرمایا ہے۔ اور یہی صوفیہ اور خاصانِ خدا کے اس مقولہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔م) کا مطلب ہے۔ حدیث میں یہی مفہوم بروایت طبرانی ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

"حُسْنُ الخلق خلق اللّٰہ الاعظم" (حسن خلق خدا کا خُلقِ عظیم ہے"

(سیرت النبیؐ ص۵۱۶، ص۵۱۷ ج ۴)

اس کا مدعا یہ ہے کہ بقول حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

"(اللہ تعالیٰ) کے محامد واوصاف اخلاقِ انسانی کا معیار ہیں۔ اِن اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں۔ اور جو بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں۔ بقیہ اوصاف ومحامد انسان کے لیے قابل نقل ہیں، کہ وہ خدا کے محامد اوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں۔ اس لیے انسان پر فرض ہے، کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنے اندر اس کے محامد واوصاف سے نسبت پیدا کرے، اور اُن کو خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر اُن کی نقل اور پیروی کی خواہش کرے۔ محامدِ الٰہی گویا استادِ اعلیٰ کی وصلی ہے۔ جس کو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیئے۔ اس لیے انسان کو ہر طرف کے لکھتے (محامد الٰہی کی نقل اتارنے) میں ایک نظر استاد ازل کی وصلی پر ڈال لینی چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی ذاتی مشق کہاں تک اصل وصل کے مطابق ہے (سیرت النبی ص۵۱۹ ج ۴)

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ محامد واوصاف الٰہی کی نقل بندہ کو ذاتِ حق عزاسمہ سے کسی قسم کی (العیاذ باللہ) برابری عطا نہیں کر دیتی، کہ ایسا گمان سراسر شرک وزندقہ ہے۔ بلکہ صفات الٰہی کا یہ ہلکا سا انعکاس بندہ کو ذات باری تعالیٰ سے ایک ادنیٰ درجہ کی مناسبت عطا کر دیتا ہے۔ حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ ارقام فرماتے ہیں۔

"یہ بات ذہن میں رہے کہ کوئی مخلوق خالق تعالیٰ کی کسی صفت میں برابر کی شریک نہیں ہو سکتی ایسا سمجھنا سراسر شرک ہے۔ بات اتنی ہے کہ بندہ کے جس وصف کو خدا تعالیٰ کی جس صفت سے مناسبت ہوتی ہے اس پر اس صفت کا اطلاق مجازاً کر دیتے ہیں۔ جیسے خدا کے علم کے سامنے بندہ کے علم کا مرتبہ اتنا بھی نہیں ہے جتنا سمندر کے سامنے قطرہ کا ہے۔ مگر خدا کی اس صفتِ علم کے ساتھ بندہ کے اس وصف کو بھی علم کہہ دیتے ہیں، حالانکہ حقیقی صفتِ علم خدا میں ہے بندہ میں نہیں۔ لیکن چونکہ خدائے تعالیٰ

اپنی صفتِ علم سے بندہ میں ایک انکشافی شان پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے بندہ کی اس ادنیٰ انکشافی شان کو بھی علم کہہ دیتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ یہی حال بندے کے دوسرے صفات اور اوصاف کے اشتراک کا ہے اس لیے بہت سے اہل حق اور اہل تحقیق کے نزدیک ان دونوں میں اوصاف کا اشتراک، اشتراک بادنیٰ مناسبت ہے اور بس لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (شوریٰ۔۲) سیرت النبیؐ جلد ششم ص۴۲۳)

بہرحال اسمائے الٰہیہ اور صفاتِ ربانی کا ظہور گو وہ بادنیٰ مناسبت ہو۔ انسان کی ذات سے ہوتا ہے اور دیگر مخلوقات کی نسبت سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے انسان کو مظہر صفات الٰہی کہتے ہیں۔ حضرت والا قدس سرہٗ ایک مسترشدِ خاص کو لکھتے ہیں کہ۔

"اس (حدیث شریف ان اللہ خلق ادم علی صورتہ) کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنے اسماءِ حسنیٰ کا مظہر بنایا ہے۔" (تذکرہ سلیمان ص۲۷۴)

اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی صفات سے محبت ہے اور وہ ان صفات کا ظہور جس ذات میں پاتا ہے۔ اس صفت کی وجہ سے اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ علامہ ابن قیم نے خوب لکھا ہے۔

وھو سبحانہ یحب موجب اسمائہ وصفاتہ۔

فھو علیم یحب کل علیم "جواد یحب کل جواد "وتر" یحب الوتر "عفو یحب العفو واھلہ" حیّی "یحب الحیاء واھلہ" "برّ" یحب الابرار۔ "شکورٌ یحب الشاکرین" "صبورٌ یحب الصابرین "حلیمٌ" یحب حلیم (مدارج السالکین ص۲۴۱ ج ۱)

اللہ سبحانہ اپنے اسماء وصفات کے موجبات (مظاہر) کو پسند فرماتا ہے۔

وہ علیم ہے ہر علم والے کو محبوب رکھتا ہے، سخی ہے ہر سخی کو پیار کرتا ہے 'طاق' ہے، طاق کو پسند کرتا ہے۔ وہ عفو ہے معافی اور معاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے وہ حیادار ہے حیا اور حیا والوں کو چاہتا ہے بر ہے نیکوکار اسے پیارے ہیں۔ شکور ہے۔ شکرگزاروں سے اسے محبت ہے۔ صبور ہے۔ صبر والے اسے پسند ہیں۔ حلیم ہے۔ بردباری کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ نے سیرت النبی (چہارم وششم) میں ان مباحث پر سیر حاصل

بحث کی ہے۔

غرض صفاتِ الٰہیہ کا انعکاس وظہور انسان میں مختلف صورتوں اور نوعیتوں سے ہوتا ہے۔ بقول حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی چند قسمیں ہیں) جلالی[۱]، کمالی[۲]، تنزیہی[۳] اور اجمالی[۴]۔
صفاتِ جلالی جو کبریائی عظمت، شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات ان کی مستحق نہیں اور یہ اوصاف بندگی و عبودیت کے رتبہ کے مناسب ہیں۔ ان کا انعکاس یہ ہے کہ بندوں میں ان کے مقابل کے صفات پیدا ہوں، یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی، اور خاکساری اس لیے ترفع تکبر اور بڑائی کا اظہار منع ہے۔ اور اسی لیے آدم ؑ جس نے فروتنی اختیار کی اور عجز و قصور کا اعتراف کیا، وہ مغفرت کے خلعت سے سرفراز ہوا اور شیطان جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا

اَبیٰ وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (بقرہ-۴)

اس (شیطان) نے (آدم کے سجدہ سے) انکار کیا اور غرور کیا اور کافروں میں سے ہوگیا

قرآن پاک میں ہے کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کے لیے ہے اس کے سوا کوئی اور اس کا مستحق نہیں۔

وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جاثیہ-۴)

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے۔

اَلْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ (حشر-۲) اسی کی شان ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت وجلال اور قوت وجبروت کا فیضان بعض بندوں اور امتوں پر نازل کرتا ہے۔ اور وہ ان کو طاقت اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے۔ مگر اس نوازش کے بعد بھی نیک بندوں اور صالح امتوں کا فرض یہی ہے۔ کہ عین اس وقت جب ان کے دست وبازو سے قوتِ حق اور ربانی۔ جاہ وجلال کا اظہار ہو رہا ہو ان کی پیشانیاں فرطِ عبودیت سے اس کے آگے جھکی ہوں۔ اور سرِ نیاز اظہارِ بندگی کے لیے اس کے سامنے خم ہوں کہ عزت وجلال خاص خدا کی شان ہے۔ جس کا فیضان رسول ؐ پر ہوا۔ اور رسول کی وساطت سے مومنوں پر ہوا۔ یہ ترتیب خود قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ (منافقون-۱)

اور عزت خدا کے لیے ہے اور اس کے رسول ؐ کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے۔

خدا کی صفاتِ کمالی میں سے وحدانیت اور بقائے ازلی وابدی کے سوا کہ ان سے تمام مخلوقات اور ممکنات طبعاً محروم ہیں۔ بقیہ اوصاف سے انسان مشرف ہوتا ہے (صفاتِ تنزیہی....

سے بھی مخلوقات تامتر محروم ہے۔ ان کی تنزیہ یہی ہے۔ کہ وہ خدا کے عصیان، نافرمانی اور گنہگاری کے عیب سے بری اور پاک ہوں۔

خدا کی صفاتِ جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں، جن کے فیضان کا دروازہ ہر صاحبِ توفیق کے لیے حسبِ استعداد کھلا ہوا ہے۔ ان صفات کا سب سے بڑا مظہر عفو و درگذر ہے .... قرآن کہتا ہے کہ "تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے"...... ایک دفعہ عہد نبوت میں بارگاہ عدالت قائم تھی، ایک مجرم کو سزا دی جارہی تھی۔ سزا کا منظر دیکھ کر حضورؐ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ ناشناسوں نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا کہ۔

امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو خدا معاف کرتا اور عفو و درگذر کو پسند کرتا ہے۔ تو تم بھی معاف اور درگذر کیا کرو۔ کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ خدا تمھیں بھی معاف کرے وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (مستدرک للحاکم کتاب الحدود)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے..... فرمایا: خدا جمیل ہے۔ جمال کو پسند کرتا ہے وہ سخی ہے۔ سخاوت کو پسند کرتا ہے وہ صاف ستھرا ہے۔ صفائی اور ستھرے پن کو پسند کرتا ہے ...... اخلاق عالیہ سے محبت اور بداخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے۔"...... "خدا نرمی والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے..... خدا پاک ہے پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔"

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہیں جو دوسروں پر رحمت و شفقت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "رحم کرنے والوں پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے۔ لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا..... رحم کی جڑ رحمان ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اے رحم، جو تجھ کو قطع کرے گا۔ میں اس کو قطع کردوں گا۔ جو تجھ کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا......" یہ نصیحت بھی فرمائی کہ "جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کرے گا قیامت میں اس کی پردہ پوشی خدا کرے گا۔" یہ بھی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ "جب تک تم اپنے بھائی کی مدد میں ہو۔ خدا تمھاری مدد میں ہے۔"

آپؐ نے فرمایا کہ "خدا بھی غیرت والا ہے۔ اور مومن بھی غیرت والا ہے۔ اور خدا کی غیرت یہ ہے کہ اس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے تو وہ اس پر خفا ہو۔

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے..... اس لیے اس کے بندوں کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی زبان سے اس کی عملی تعلیم کو ان

(بقیہ ص ۵۹ پر)

جناب ابوسفیان اصلاحی

اُردو میں قرآنی مطبوعات

(۲)

تدبر قرآن ۔ تحسین الحق بلخی ۔ مکتبہ چراغ راہ ۔ کراچی ۱۹۵۲ء ص ۲۸۸

تدبر قرآن ۔ عمر دراز خاں غوری ۔ سلطان اینڈ سنز کراچی ۱۹۶۷ء ص ۵۵۴

تدبر قرآن ۔ امین احسن اصلاحی ۔ بار اوّل ۔ مکتبۂ یثرب لاہور ۱۹۵۱ء ص ۱۷۹

تدریس القرآن ۔ محمد مظہر ۔ مکتبہ فاروقیہ ۔ حیدرآباد دکن ۱۹۵۶ء ص ۳۲

تذکرہ (قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر مبسوط تبصرہ) عنایت اللہ مشرقی ۔ وکیل ، امرتسر ۱۳۴۲ھ ص ۱۴۱

تذکرہ سورۃ الکہف ۔ مناظر احسن گیلانی ۔ مکتبہ رشیدیہ کراچی ۱۹۷۹ء ص ۳۵۲

تربیت عسکری اور قرآن کریم ۔ ابوالکلام آزاد ۔ شمیم بک ڈپو ۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۷۹

ترتیل ۔ اختر حسین ۔ حلقۂ ادب چشت ۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۵۴

ترجمہ عقیدۃ القرآن (دلائل التفاسیر ترکی) (علم تفسیر اور مفردات القرآن کے متعلق) حمیدیہ بھوپال ۱۳۳۱ھ ص ۵۷

تسہیل برہان القرآن ۔ احمد امرتسری ۔ طبع اول ۔ مقبط برادران ۔ کراچی ۱۹۸۲ء ص ۴۴

تشریح الافکار بحوالہ آیات قرآن مجید ۔ لفظ کافر کی تحقیق ۔ عبدالرحیم سلیم ۔ خواجہ حسن نظامی دہلی ۱۳۴۵ھ ص ۲۰

تصورات قرآن ۔ ابوالکلام آزاد ۔ مکتبہ اُردو ادب لاہور ۔ (بدون تاریخ) ص ۱۹۹

تعارف مضامین قرآن ۔ محمد سلیم الدین شمسی ۔ بار اوّل ۔ رومی پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۹۷۶ء ص ۴۰۸

تعبیر خواب قرآن وحدیث کی روشنی میں ۔ احمد مصطفیٰ صدیقی راہی ۔ شیخ محمد بشیر اینڈ لاہور ۱۹۸۴ء ص ۱۳۵

تعلیم ترجمۃ القرآن ۔ زین العابدین ۔ مطبع کریمی ۔ مدراس (بدون تاریخ) ص ۲۰

تعلیم القرآن اور عمل یورپ ۔ شمس الدین ۔ فیض عام پریس ۔ علی گڑھ ۱۹۲۹ء ص ۱۱۲

تفسیر خاتم النبیین اور بزرگانِ سلف ۔ دوست محمد شاہد ۔ نظامت اشاعت لٹریچر و تصنیف ۱۹۷۹ء ص ۸۶

تغلیب الاسلام (جواب تہذیب الاسلام) ثناء اللہ امرتسری ۔ طبع اوّل ۔ اہلحدیث امرتسر ۱۹۰۹ء ص ۴۷

تفسیر بالرائے ۔ ثناء اللہ امرتسری ۔ طبع اوّل ۔ برقی پریس ۔ امرتسر ۱۳۵۸ھ ص ۱۱۲

تفسیروں میں اسرائیلی روایات ۔ نظام الدین اسیر ادروی ۔ مرکز دعوتِ اسلام ۔ دیوبند ۱۹۸۵ء ص ۲۵۲

تفصیل البیان فی مقاصد القرآن ۔ ممتاز علی ۔ دارالاشاعت ۔ لاہور ۱۳۴۸ھ (چار جلد) ص ۱۶۰، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۹۳ ۔

تفہیم القرآن حقیقت کی روشنی میں۔ راہ نورد۔ دار الاشاعت رکتب اسلامیہ بمبئی ۱۹۷۸ء ص ۱۰۷
تقابل ثلاثہ رجواب عدم ضرورت قرآن) ثناء اللہ امرتسری۔ اہلحدیث امرتسر۔ ۱۹۰۹ء ص ۱۵۱
تقدیر و مشیت الٰہی کی حقیقت قرآن کی روشنی میں۔ بار اوّل۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۸۴
تقصیرات تفہیم القرآن کا مکمل و مدلل جائزہ۔ عزیز الرحمٰن مدنی دار التالیف بجنور ۱۹۷۹ء ص ۲۴
تقویم القرآن۔ مقبول احمد۔ انتظار پریس۔ حیدر آباد دکن۔
التنقید السدید علی التفسیر الجدید۔ النجم لکھنؤ۔ ۱۹۳۴ء ص ۸۴
تنزیہ الفرقان۔ محمد سعید۔ مفید عام۔ آگرہ ۱۲۹۴ھ ص ۵۵۸
تنزیہ الفرقان۔ سید محمد بھرت پوری۔ مفید عام۔ آگرہ ۱۸۷۷ء ص ۵۶۴
توحید القرآن۔ محمد ہارون۔ ناظم الہند۔ لاہور۔ ۱۹۱۱ء ص ۳۰۸
توشہ آخرت (معلومات مضامین قرآن) عبد الحمید صدیقی۔ کراچی ۱۹۷۲ء۔ ۲ جلد
توضیح القرآن۔ محمد سلیمان فاروقی۔ نور کمپنی۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۸۸
تیسیر القرآن۔ عبد الصمد رحمانی بہاری۔ ندوۃ المصنفین۔ دہلی ۱۹۵۵ء
تیسیر القرآن فی ترجمہ القرآن۔ عبد المجید انصاری پریس۔ دہلی۔ ۱۹۰۳ء ص ۴۲
تیسیر القرآن و تسہیل الفرقان۔ محمد جمال الدین۔ مطبع فاروقی۔ دہلی (بدون تاریخ) ص ۱۹۲ + ۲۳۔
جامع القرآن۔ عبد الرحمٰن شوق۔ ملک دین محمد۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۸۴
جدید اسلامی ریاست قرآن کی روشنی میں۔ عبد المالک عرفانی۔ قانونی کتب خانہ۔ لاہور (بدون تاریخ) ۱۱۴
جلب مضاعف القرآن (ترتیب و تنزیل قرآن سے متعلق) ناظم میواتی سہسرامی ناشر ادب کوہ۔ میواتی ٹولہ۔ سہسرام رہتاس بہار۔
جمال مصطفیٰ (قرآن حکیم کی روشنی میں سیرت نبوی) عبد العزیز عرفی گیلانی پبلشرز۔ کراچی ۱۹۷۶ء ص ۲۹۲
الجن والجان علی ما فی القرآن۔ السید احمد۔ اسلامیہ اسٹیم پریس۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۳۲
جواب تفسیر حقانی۔ محمد صادق بن عبد الباقی دغانی۔ ۱۳۰۶ھ دہلی۔ ص ۳۹۸
جواب رسالہ شہادت قرآنی برکات ربانی۔ چراغ علی اعظم یار جنگ ۱۳۲۵ھ
جواہر العلوم (قرآن کریم کی روشنی میں) شیخ طنطاوی جوہری (مترجم عبد الرحیم) قومی کتب خانہ لاہور۔ ۱۹۶۶ء۔ ص ۲۸۰

جواہر القرآن۔ جان فیصل آبادی۔ بار اول۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ لاہور ۱۹۸۴ء ص ۴۳۶

جواہر القرآن۔ محمد ابراہیم بنارسی۔ بنارس۔ ۱۹۴۶ء۔ ص ۲۰۸

جواہر القرآن۔ محمد حلیم انصاری۔ حمیدیہ اسٹیم پریس۔ لاہور۔ ۱۳۲۶ھ۔ ص ۱۷۶

جواہر القرآن۔ محمد احسن۔ مطبع مجتبائی۔ دہلی ۱۹۰۵ء

جواہر القرآن۔ غلام علی خاں۔ مدرسہ تعلیم القرآن۔ راولپنڈی (بدون تاریخ) ص ۱۸۹

جواہر القرآن (مترجم) آغا رفیق۔ دہلی ۱۹۲۵ء ص ۲۶۳

جواہر القرآن۔ قاضی عبد الرزاق۔ دار الاشاعت مدینہ۔ کراچی ۱۹۵۴ء ص ۱۴۰

جواہر القرآن۔ امام علی تجفؔ علی اکبر آبادی۔ گلشن احمدی۔ آگرہ ۱۲۸۹ھ

جواہر القرآن۔ امام غزالی (مترجم آغا رفیق) مدینہ بک ایجنسی۔ بجنور۔ ۱۹۲۰ء ص ۲۶۴

جواہر القرآن۔ محمد بن اسامہ۔ مطبع نامی منشی نولکشور (بدون تاریخ) ص ۱۳۶

جواہر القرآن۔ محمد صادق۔ علی پرنٹنگ پریس۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۶۰

جہاد کا صحیح مفہوم قرآن کی روشنی میں۔ غلام احمد پرویز۔ ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۲۵۰

حالات قرآن مجید۔ خواجہ عبد الحئی فاروقی۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی۔ ۱۹۲۳ء ص ۱۶

حدائق البیان فی معارف القرآن۔ محمد عبد الغفور۔ مطبع حکیم برہم گورکھپور (بدون تاریخ) ص ۴۴۲

حدائق نظم قرآن۔ محمد ظفر فخر پوری۔ مرتضائی پریس۔ آگرہ۔ ۱۹۲۵ء ص ۲۰۰

الحرب فی القرآن۔ ابو الکلام آزاد۔ الہلال بک ایجنسی۔ لاہور۔ ۱۹۹۲ء ص ۱۱۶

حروف مقطعات کے اشارات وکنایات۔ رحیم بخش۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۹۸

حضور صلعم کو معراج کیسے کرایا گیا: قرآن وحدیث، سائنس کی روشنی میں۔ آغا غیاث الرحمٰن انجم
مکتبہ کارواں۔ لاہور۔ ۱۹۷۵ء ص ۶۷

حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش۔ ثناء اللہ امرتسری۔ اہلحدیث امرتسر ۱۹۰۵ء ص ۴۳۳

حقیقت الزکوٰۃ (قرآن کی روشنی میں) ابو الکلام آزاد۔ الہلال بک ایجنسی۔ لاہور۔ ۱۹۵۰ء ص ۸۴

حقیقت مسیح۔ ساغر الوثقی۔ مکتبہ اردو۔ کراچی۔ اشاعت اول ۱۹۶۳ء ص ۲۶۴

حکمت بالغہ (اتقان فی علوم القرآن کا خلاصہ) احمد مکرم۔ ابو الجمال عباسی چریا کوٹی۔ مجلس اشاعت
العلوم۔ حیدر آباد دکن ۱۳۲۹ھ۔ ۱۳۳۲ھ (تین جلد) ۶۸، ۲۱۴، ۱۱۱

حکمت قرآن۔ محمد تقی امینی۔ ندوۃ المصنفین۔ دہلی ۱۹۸۶ء ص ۱۱۰

حکمت قرآن ۔ غلام مصطفیٰ صوفی تبسم ۔ مجلس ترقی ادب ۔ لاہور ۔ (بدون تاریخ) ص ۷۴ ۔
حکمت قرآن ۔ عزیز احمد ۔ (بدون تاریخ) (دو جلد ۲۵۲، ۳۴۰)
حکمت قرآن ۔ جرنیل محمد مختار پاشا (مترجم صوفی غلام مصطفیٰ تبسم) مجلس ترقی ادب ۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۷۴ ۔
حکمت قرآن ۔ محمد مختار پاشا (مترجم عبدالحیٔ) مجلس ترقی ادب لاہور ۔ ۱۹۵۵ء ص ۷۴
حیات المسیح اعنی شہادت القرآن ۔ محمد ابراہیم سیالکوٹی ۔ برقی پریس ۔ امرتسر ۱۹۲۲ء ص ۱۳۲ ۔
حیوانات قرآن ۔ عبدالماجد دریابادی ۔ ہندوستان پبلیکیشنز لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۱۴
ختم نبوت قرآن کی روشنی میں ۔ محمد یوسف اصلاحی ۔ مکتبہ ذکری ۔ دہلی ۱۹۹۰ء ۔ ص ۶۴
خطبات ماجدی یا سیرت نبوی قرآنی ۔ عبدالماجد دریابادی ۔ صدق جدید بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۵۱ء ص ۶۴
الخط العثمانی فی الرسم القرآنی ۔ رحیم بخش ۔ ملتان ۱۳۷۲ھ ص ۲۸
خطیب قرآن نبی آخر الزماں ۔ مرتضیٰ حسین ۔ شیخ غلام علی ۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۷۹۴
خلاصۃ القرآن ۔ سید اطہر حسین ۔ یوپی سنی سنٹرل وقف بورڈ ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۷۱ء ص ۲۸۸
خلاصہ مطالب القرآن ۔ تنزیل الرحمٰن ۔ زاہد ملک ۔ اسلام آباد ۔ ۱۹۸۱ء ص ۲۴۰ ۔
خلافت قرآنی ۔ سعید علی الماثری ۔ شیخ غلام علی شہید یہ ۔ ۱۹۲۷ء ص ۵۶
خلق الانسان ۔ مطبع مفید عام ۔ آگرہ ۱۳۰۷ھ ص ۹۴
خلق الانسان علی ما فی القرآن ۔ مسلم پرنٹنگ پریس ۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۲
خواص سورۂ قرآن ۔ محمد عطاء اللہ ۔ ملک بشیر احمد ۔ لاہور ۔ (بدون تاریخ) ص ۸۰
خواص قرآنی ۔ نور محمد چشتی ۔ ادارہ کریمیہ تعلیم القرآن ۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۸۰
درس قرآن کریم پر ایک مختصر تبصرہ ۔ فقیر ہدایت اللہ چغرزوٹی ۔ شعبۂ نشر و اشاعت دار العلوم ۔ تعلیم القرآن ۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۹۲
الدرر المنشورات فی ربط السور والآیات از افادات حسین علی ۔ مرتبہ محمد امیر ۔ بار اوّل ۔ ثنائی پریس سرگودھا ۔ ۱۹۷۰ء ۔ ص ۱۶۰
دستور قرآن اعظم ۔ غلام احمد پرویز ۔ دار الاشاعت قرآن اعظم ۔ حیدرآباد ۱۹۶۰ء (۲ جلد)
دستور قرآنی ۔ محمد شفیع ۔ ادارہ اشرف العلوم ۔ کراچی ۔ ۱۹۵۲ء
دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر ۔ اسرار احمد ۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (بدون تاریخ) ص ۸۰

دعوت القرآن۔ فضل الدین اجمیری۔ بار سوم۔ ادارہ دعوت القرآن کراچی ۱۹۸۶ء ۱/ ۲۵۸
دعوت القرآن۔ فضل الدین اجمیری۔ ادارہ دعوت القرآن۔ کراچی۔ ۱۹۸۶ء ۲/ ۵۳۶
دلائل القرآن۔ ابو محمد امام الدین۔ مکتبہ تحفظ ملت۔ رام نگر بنارس (بدون تاریخ)
دلائل القرآن علی مسائل الضمان۔ اشرف علی تھانوی۔ اشرف العلوم دیوبند۔
دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن۔ ثناء اللہ امرتسری۔ طبع ثالث۔ ۱۳۴۸ھ ص ۴۰
دو قرآن۔ غلام برق جیلانی۔ طبع پنجم۔ کتاب منزل۔ لاہور۔ ۱۹۵۸ء ص ۴۴۳
دین کا قرآنی تصور۔ صدر الدین اصلاحی۔ بار سوم۔ مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی ۱۹۷۹ء ص ۲۱۲
ذبیح کون ہے۔ حمید الدین فراہی (مترجم امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ۔ (بدون تاریخ) ص ۱۸۶
رسالہ تکمیل القرآن۔ محمد حسین۔ یوسفی پریس۔ دہلی۔ ۱۸۷۹ء ص ۱۶
رسالۃ التوحید من القرآن المجید۔ محمد حسن جلالی۔ کارخانہ پیسہ اخبار۔ لاہور ۱۹۴۰ء ص ۴۰
رسالہ کلید قرآن۔ انیس احمد۔ انسٹیٹیوٹ پریس۔ ۱۳۳۲ھ۔ ص ۱۱۶
رسم نظم قرآن۔ محمد غوث نائطی۔ عثمانی پریس۔ حیدر آباد دکن۔ ۱۹۵۶ء ص ۳۲
رشحات القرآن۔ ذکاء اللہ خاں۔ لطیفی پریس۔ دہلی۔ ۱۹۳۸ء ص ۱۱۷
رموز سورہ کہف۔ رحیم بخش۔ حجازی پریس۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۳۲
رموز القرآن۔ سید ظفر حسن۔ شمیم بک ڈپو۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۳۸۴
رموز القرآن۔ محمد حسن علی۔ کانپور۔ ۱۸۷۲ء ص ۱۶
روح القرآن۔ امیر حسن القادری۔ بار اول۔ نیو اسلامی آرٹس پریس۔ ملتان ۱۹۸۵ء ص ۳۷۰۔
روح القرآن۔ عبد السلام قدوائی۔ بار اول۔ جمال پرنٹنگ پریس۔ دہلی ۱۹۸۰ء ص ۴۰۲
الروح فی القرآن۔ شبیر احمد عثمانی۔ جامعہ اسلامیہ ڈھابیل۔ سورت ۱۹۳۴ء ص ۱۴
رہنمائی قرآن (خلق قرآن سے متعلق) ابو الکلام آزاد (بدون تاریخ) ص ۵۶۔
ریاست قرآنی۔ راغب احسن۔ ڈھاکہ ۱۹۵۴ء ص ۹۲
سحاب رحمت۔ نثار احمد۔ بار اوّل۔ جمعیت الفلاح۔ کراچی ۱۳۸۶ھ ص ۱۶۰
سورۃ فاتحہ اسلامی انقلاب کا الہامی نصاب۔ غلام اعظم۔ الکتاب پرنٹرز۔ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۸
سورۃ فاتحہ ایک تحقیقی مطالعہ۔ الطاف احمد اعظمی۔ بار اوّل تحقیقات و اشاعت علوم قرآن جونپور۔ ۱۹۸۶ء ص ۱۰۷

جناب محمد اسحٰق بھٹی صاحب

برّصغیر میں علمِ حدیث — عہدِ صحابہ میں

یہ معمورۂ ارض جسے اسلامی تاریخ میں "ہند" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اب برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش سے تعبیر ہے، پہلی صدی ہجری ہی میں اسلام کے روح پرور پیغام سے آشنا ہو گیا تھا، بلکہ کچھ ایسی روایات بھی رصحت وسقم سے قطع نظر، بعض کتابوں میں مرقوم ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ہند" کا ذکر فرمایا اور اس کے بعض امور سے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیائے فانی سے تشریف لے جانے کے بعد خلافتِ راشدہ قائم ہوئی اور اسلامی تعلیمات نے بلادِ عرب سے نکل کر بیرونی ممالک کا رخ کیا اور ان میں اپنے اثر و رسوخ کے جھنڈے گاڑنا شروع کیے تو بعض صحابہ کرام نے دیارِ ہند کی طرف بھی عنانِ توجہ مبذول فرمائی اور اس کو دینِ فطرت کے تہذیبی و ثقافتی دائرے میں شامل کرنے کے لیے کوشاں ہوئے، جس کے نتیجے میں بہت جلد اس سرزمین کے متعدد حصوں پر برکاتِ اسلامی کا وسعت پذیر شامیانہ سایہ فگن ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ سارا علاقہ اسلام کی ضیاپاشیوں سے چمک اٹھا۔

خلافتِ راشدہ کے دور ہی میں اسلام کا عالم گیر پیغام باشندگانِ ہند کے کانوں تک پہنچ گیا تھا اور بعض صحابۂ کرام اور ائمۂ دین بھی اسلامی اقدار کی تنفیذ اور دینی احکام کی ترویج و اشاعت کے لیے اس ملک میں تشریف لے آئے تھے۔

خطۂ ہند میں ورودِ اسلام کے سلسلے میں ہم کو سب سے پہلے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کے دورِ خلافت کی کسی ایسی مہم کا ذکر تو کتبِ رجال میں نظر سے نہیں گزرا، جس کا تعلق براہِ راست سرزمینِ ہند سے ہو، البتہ تاریخِ اسلامی کی ورق گردانی سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کے عہدِ خلافت (ذی الحجہ ۱۱ھ) میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیرِ کمان یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف جو جنگ لڑی گئی، اس میں ہند اور سندھ کے ان ہندوؤں اور جاٹوں نے بھی حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلادِ سواحل میں سکونت گزیں تھے۔ یہ لوگ یمامہ گئے، وہاں مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہوئے اور شکست کھائی۔ پھر ان میں سے جو لوگ زندہ بچے اور شکست کھا کر واپس آئے، انہوں نے اپنی قوم کو ان حالات سے آگاہ کیا، جن

وہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے دوچار ہوئے تھے۔ یہ گویا مسلمانوں کے خلاف اہلِ ہند کی پہلی فوجی چڑھائی یا ان کو پہلی دعوتِ جنگ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق کا دورِ خلافت بہت مختصر تھا۔ ان کے بعد عرب کے مسلمان، ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہنا چاہیئے کہ پھر باقاعدہ کبھی چھوٹے اور کبھی بڑے پیمانے پر جنگی معرکوں کا آغاز ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ ان کے عہد میں باشندگانِ ہند کو اسلام کی خصوصیات اور مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں سے آگاہ ہونے کے متعدد مواقع پیش آئے اور ان بلاد میں توحیدِ الٰہی اور ارشاداتِ پیغمبر کی آواز گونجنا شروع ہوئی۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ فاروقی کے ابتدائی دور میں جزائر سراندیپ کا (جسے اب لنکا کہا جاتا ہے)، ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا اور ارکانِ وفد نے ارکانِ اسلام سے متعلق واقفیت بہم پہنچائی اور خلیفۃ المسلمین کی سیرت و کردار کے بارے میں معلومات حاصل کیے۔

اہلِ عرب نے ارکانِ وفد کا اس طریقے سے خیر مقدم کیا اور اس درجے احترام سے پیش آئے کہ عرب مسلمانوں کی محبت ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی۔ یہ دو آدمی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کا واقعہ سن کر عازمِ عرب ہوئے تھے۔ لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو آنحضرتؐ بھی اس دنیا سے تشریف لے جاچکے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق بھی سفرِ آخرت پر روانہ ہوچکے تھے۔ وفد کے ارکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو دیکھ کر انتہائی متاثر ہوئے۔

اس کے بعد ۱۷ھ میں جنگِ فارس کے دوران اہلِ ہند اچھی خاصی تعداد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ وہ ہندی تھے جو فارس میں مقیم تھے اور جنگ میں اہلِ فارس کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑتے تھے۔ پھر ان میں کچھ لوگوں کو قیدی کی حیثیت سے بصرے لے جایا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے بصرے میں ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ اس سے اثر پذیر ہو کر وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

ملک ہند اگرچہ بعض دیگر ملکوں کی نسبت خطۂ عرب اور مرکزِ اسلام (مکے اور مدینے) سے بہت دور تھا، تاہم تاریخ و رجال کی کتابوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے، اٹھتیس تابعین آئے، چودہ تبع تابعین نے اپنے وجودِ مسعود سے اس کو رونق بخشی اور بے شمار محدثین و فقہا کے قدومِ میمنت لزوم سے ارضِ ہند سعادت اندوز ہوئی۔

برصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے، بارہ حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں، پانچ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں، تین حضرت علی کے دورِ امارت میں، چار حضرت معاویہ کے ایام

حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہ کے زمانے میں۔ ان میں مخضرمین اور مدرکین بھی شامل ہیں۔

یہاں صحابی، مخضرم اور مدرک کا مطلب بیان کرنا ضروری ہے۔ محدثین اور اصولیین کے نزدیک صحابی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اسلام قبول کیا، آپ کی صحبت و رفاقت سے بہرہ ور ہوا، اور بحالتِ اسلام میں وفات پائی۔

مُخَضْرَمْ وہ ہے، جس نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا اور دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی لیکن کسی وجہ سے آنحضرتؐ کے فیضِ صحبت سے مستفیض نہ ہو سکا۔

مُدْرِکْ، اسے کہا جاتا ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، اسلام اگرچہ آپ کی زندگی میں قبول کیا یا بعد میں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کے اوّلین مبلغ تھے اور آپ کے ارشاداتِ گرامی کی نشر و اشاعت کے لیے ہر آن سرگرم رہتے تھے۔ ان کا شب و روز کا یہی مشغلہ تھا اور اس کے لیے انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ وہ جہاں جاتے آنحضرت کے فرامین ساتھ لے کر جاتے ہندوستان آئے تو یہ سرمایہ ان کے ساتھ تھا۔ اس لیے کہنا چاہیئے کہ برصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ صحابہ کے دور ہی میں آ گئی تھیں اور خود آپ کے صحابہ اس عظیم الشان ذخیرے کو ساتھ لے کر آئے ـــــ یہاں ان کی باقاعدہ آمد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سے شروع ہوئی اور یزید کے دورِ حکومت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس اثنا میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا پچیس صحابہ کرام آئے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

خطۂ ہند پر عرب مسلمانوں کی فوج کشی کا آغاز ۱۵ھ سے ہوا، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ عثمان بن ابوالعاص نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاص ثقفی کو ایک لشکر دے کر ہندوستان کی اس وقت کی بندرگاہ تھانہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بندرگاہ موجودہ جغرافیائی لحاظ سے بمبئی کے قریب واقع تھی۔ لشکر واپس آیا تو عثمان نے اس حملے کی اطلاع دربارِ خلافت میں حضرت عمرؓ کو دی۔ حملہ چونکہ حضرت عمرؓ سے اجازت لیے بغیر کیا گیا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا:

یا اخا ثقیف احملت دودا علی عود، وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا، لاخذت من قومک مثلھم۔	یعنی اے ثقفی! تو نے چیونٹی کو لکڑی پر چڑھا دیا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اگر یہ فوجی مارے جاتے تو تجھ سے تیری قوم میں اتنے ہی آدمیوں کو پکڑ لیتا۔

ایک روایت کے مطابق عثمان بن ابوالعاص نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاص کو تھانہ اور بھڑوچ کی طرف بھیجا اور دوسرے بھائی مغیرہ بن ابوالعاص کو فوج دے کر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ عثمان، حکم اور مغیرہ تینوں

بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں عثمان کے بارے میں لکھا ہے۔

کان عثمان من خیار الصحابۃ عثمان خیار صحابہ میں سے تھے۔

یہ وہی عثمان بن ابوالعاص ہیں جن کو آنحضرتؐ نے طائف کا والی مقرر کیا تھا۔ فارس میں بھی انہوں نے جہاد کیا۔ علاوہ ازیں ان کی کوشش سے عساکر اسلامی نے ہندوستان کی طرف بھی رخ کیا اور تھانہ، بھڑاچ اور دیبل پر حملے کیے، جو اس زمانے میں بعض حیثیتوں سے بلادِ ہند کے تین اہم مقام تھے۔

چچ نامہ کی روایت کے مطابق اس زمانے میں ہند کے ان علاقوں کا بادشاہ چچ بن سیلائچ تھا، جو پینتیس سال سے حکومت کر رہا تھا اور اس کی طرف سے دیبل کا حکمران سامہ بن دیوائچ تھا۔ دیبل ایک تجارتی شہر تھا جو سندھ کے موجودہ شہر ٹھٹھہ کے مقام پر واقع تھا۔ جب مسلمان اور غیر مسلم فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر میدانِ جنگ میں اتریں تو مغیرہ بن ابوالعاص نے تلوار میان سے نکالی اور بسم اللہ فی سبیل اللہ کا نعرہ بلند کر کے دشمن پہ ٹوٹ پڑے۔

ربیع بن زیاد حارثی مذحجی رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ انہوں نے عہدِ فاروقی میں کرمان اور مکران کے علاقوں میں جہاد کیا۔ یہ علاقے اس زمانے میں حدودِ سندھ میں شامل تھے۔

عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ انہوں نے نواحی سندھ اور سجستان کے گرد و نواح کے علاقے فتح کیے۔

عبداللہ بن عمیر اشجعی صحابی نے علاقہ سندھ کے بعض شہر زیر نگیں کیے اور شہادت پائی۔

سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری نے جو آنحضرت کے صحابی تھے، جنگ مکران میں شرکت کی اور بلوچستان پہنچے جہاں پرچم اسلام لہرایا۔

نسر بن دیسم بن ثور عجلی نے جو مخضرم تھے، بلوچستان کا کچھ حصہ فتح کیا۔

شہاب بن مخارق بن شہاب، یہ بنو تمیم یا بنو مازن قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور مدرک تھے۔ انہوں نے فتح مکران میں شرکت کی۔

صحار بن عباس عبدی، صحابی تھے، جنگِ مکران میں شریک ہوئے۔

حکم بن عمرو بن مجدع ثعلبی غفاری، ان کا اسم گرامی فاتحینِ مکران کی رفیع القدر جماعتِ صحابہ میں شامل ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری بھی وہ جلیل المرتبت صحابی ہیں جو وارد ہند ہوئے اور فتح مکران میں شرکت کی۔

عہدِ فاروقی کے یہ بارہ صحابہ کرام ہیں جو ہندوستان آئے اور مختلف علاقوں کی جنگوں میں شامل ہوئے۔ صحابیِ رسول کا لفظ خود اس حقیقت کا عکاس ہے کہ جہاں جہاں ان کو جانے کا موقع ملا وہاں آنحضرت کی حدیثِ پاک کی

تبلیغ فرمائی اور مسائل دینی سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین منتخب کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ ذی الحجہ ۳۵ھ تک بارہ دن کم بارہ سال منصبِ خلافت پر متمکن رہے۔ ان کا دورِ خلافت فتوحات کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ فارس، نواحِ سجستان، افریقہ، سواحلِ شام اور بحرِ روم پر اسلامی جھنڈا لہرایا اور علاقۂ ہند میں مکران اور بلوچستان فتح ہوئے۔ حضرت عثمان نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد احوالِ ہند سے متعلق واقفیت حاصل کی اور پھر سندھ، مکران اور بلوچستان کی طرف عساکرِ اسلامی روانہ کیے۔

اس سلسلے میں بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو عبداللہ بن عامر بن کریز کو عراق کا والی مقرر کیا اور ان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا کہ کسی واقفِ حال شخص کو ہندوستان بھیجا جائے، اور وہ جو معلومات وہاں سے لے کر آئے، ان سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ عبدی کو جو مدارک تھے، ہندوستان بھیجا۔ وہ واپس آئے تو حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا، کچھ معلومات لائے ہو؟ عرض کیا، امیر المومنین! میں دیارِ ہند میں گھوم پھر کر مکمل معلومات لایا ہوں۔ فرمایا کچھ بیان کرو۔ کہا۔

ماء ھا وشل، وثمرھا دقل، ولصھا بطل، ان قل الجیش فیھا ضاعوا، وان کثروا جاعوا۔	یعنی ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ پانی کم پھل روی، چور بے باک، لشکر تھوڑا ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ، زیادہ ہو تو بھوک سے مر جانے کا خطرہ۔

فرمایا واقعہ بیان کر رہے ہو یا شاعری فرما رہے ہو؟ عرض کیا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔

بہر حال یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سندھ کا کچھ علاقہ حضرت عثمان کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ امام ابو یوسف امام زہری کے حوالے سے کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

ان افریقیۃ وخراسان وبعض السند افتتحت فی زمن عثمان رضی اللہ۔	یعنی افریقہ، خراسان اور سندھ کے بعض حصے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتح ہوئے۔

حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی رضی اللہ عنہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، اور یہی حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں خراسان اور سجستان کی مہم میں مصروف تھے، لیکن اسی دوران میں انہوں نے بلوچستان کے علاقوں پر حملہ کیا۔ پھر کرمان گئے اور دشمن کی بہت بڑی فوج سے معرکہ آرا ہوئے۔ اس اثنا میں اسلامی فوجیں خاصی مدت تک بلوچستان کے علاقے میں مقیم رہیں، سے اس نواح کے غیر مسلم اور اہلِ عجم کو بہت سی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ کہتے ہیں، یہ پہلا موقع تھا کہ عرب فوجیں طویل مدت تک دیارِ ہند کے کسی علاقے میں قیام پذیر رہیں۔

۳۳ھ میں ایک اور صحابی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ نے ہند کے نواحی علاقوں پر حملے کیے اور کچھ کا علاقہ فتح کیا، اسی اثنا میں وہ زرنج پہنچے اور زرنج اور کچھ کے نواح پر بزور شمشیر قبضہ کیا۔ انہوں نے سجستان، کابل اور سندھ کے بعض علاقوں پر فتح حاصل کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں پانچ صحابی وارد ہند ہوئے، جن کے نام یہ ہیں۔

حکیم بن جبلہ عبدی: یہ مدرک ہیں اور بلادِ ہند کے پہلے مسلم سیاح اور یہاں کے حالات سے آگاہ۔

عبیداللہ بن معمر بن عثمان قرشی تیمی: یہ فاتح مکران تھے اور اس کے امیر بھی رہے۔

عمیر بن عثمان بن سعد: یہ مکران کے منصب امارت پر فائز رہے

مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ: یہ بلوچستان کے فاتح ہیں۔

عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشی عبشمی: انہوں نے سجستان اور کابل فتح کیے اور سرحداتِ ہند کے کچھ علاقوں پر قبضہ کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی اور ۱۷ر رمضان ۴۰ھ کو شہید ہوئے۔ ان کی مدتِ خلافت چار سال نو مہینے بنتی ہے۔ ان کے زمانے میں جیوشِ اسلامی بالائے مکران سے ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور قیقان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ فتح کیا۔ قیقان وہی علاقہ ہے، جسے اب قلات کہا جاتا ہے اور پاکستان کا حصہ ہے۔ قلات سے لشکر اسلامی نے ہند کی طرف حرکت کی اور فتوحات حاصل کیں۔ یہ ۳۸ھ کے آخر اور ۳۹ھ کے ابتدا کا واقعہ ہے۔

اس علاقے میں یہ جنگیں حارث بن مرہ عبدی کی کمان میں لڑی گئی تھیں۔ اہل قلات نے بیس ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا، لیکن ناکام رہے اور مسلمانوں کے زبردست حملے کی تاب نہ لا کر پہاڑوں کی گھاٹیوں اور غاروں میں جا چھپے۔ بعد ازاں قلات کی منتشر فوج پھر جمع ہوئی اور مسلمانوں پر آمد و رفت کے راستے بند کر کے ان کو چاروں طرف سے پہاڑی علاقے میں محصور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اسلامی فوج کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے اس زور سے حملہ کیا کہ اہل قلات خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ العقد الثمین میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وقطعوا الطريق على المسلمين فلما رأهم المسلمون كبروا الله حتى سمع صدأهم جنوباً وشمالا وخاف عنه أهل القيقان وهربوا واسلم بعضهم۔

یعنی جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قلات کی فوجیں ان کے راستے تنگ کر رہی ہیں تو انہوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ ان کی آواز جنوب اور شمال میں گونج اٹھی، جس سے خوف زدہ ہو کر اہل قلات بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ پہلا نعرۂ تکبیر تھا جو اس نواح میں بلند ہوا اور جس سے دشمن کے دل دہل گئے اور وادیٔ قلات کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ ان ہی ایام میں مسلمانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی اور وہ واپس مکران چلے گئے۔ عہدِ علی میں تین صحابی داخلِ ہند ہوئے، جن کے نام یہ ہیں:

خریت بن راشد ناجی سامی: یہ مکران گئے۔

عبداللہ بن سوید تمیمی شقری: یہ مخضرم تھے، غزوۂ سندھ میں شریک ہوئے۔

کلیب بن وائل: بعض حضرات نے انہیں صحابی اور بعض نے تابعی قرار دیا ہے۔ یہ ہندوستان آئے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک درخت دیکھا جس کے سرخ رنگ کے ایک پھول پر سفید حروف میں محمد رسول اللہ کے الفاظ مرقوم تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی عرب مسلمانوں نے ہند کے کئی علاقوں پر حملے کیے اور ان کو زیرِ نگیں کیا۔ مثلاً عمر بن عبیداللہ بن تیمی نے سندھ کے ایک شہر آرمائیل (یا ارمن بیلہ) پر فتح حاصل کی۔ یہ اس زمانے میں خاصا بڑا شہر تھا اور سرزمینِ سندھ میں مکران اور دیبل کے درمیان واقع تھا۔ آج کل یہ شہر علاقہ قلات میں ہے اور لس بیلا کے قریب ہے۔ منقول ہے کہ عمر بن عبیداللہ نے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اس زمانے میں قلات کے ایک علاقے میں بھی جہاد کیا گیا اور اس طرف سے ہند کی سرحدوں پر بھی جھڑپیں ہوئیں۔

حضرت معاویہؓ ہی کے زمانے (۴۴ھ) میں مہلب بن ابوصفرہ نے ارضِ ہند میں بہت دور تک آگے بڑھ کر جنگ کی اور وہ لاہور، بنوں اور کوہاٹ تک جا پہنچے۔ انہوں نے سندھ کے ایک شہر قندابیل میں بھی دشمن کو ہزیمت دی۔

مہلب بن ابوصفرہ کی تگ و تازِ مجاہدانہ کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کابل سے لے کر ملتان تک کا تمام درمیانی علاقہ روند ڈالا۔ یہ مدرک تھے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابی جنھوں نے حضور کا زمانہ تو پایا مگر آپ سے لقا یا آپ کی رویت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔

۵۳ھ میں عباد بن زیاد بن ابوسفیان سجستان کے والی تھے۔ انہوں نے اپنے زمانۂ ولایت میں قندھار اور کچھ کے علاقوں میں دور تک اندر گھس کر دشمن کو شکست دی۔

عہدِ معاویہ میں سرزمینِ ہند کو چار صحابۂ رسول کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی: یہ مدرک تھے، انہوں نے بنوں، لاہور اور سندھ کے ایک شہر بدھ تک تگ و تاز کی۔

عبداللہ بن سوار بن ہمام عبدی: یہ بھی مدرک تھے، بعض غزوات ہند میں شرکت کی اور مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

یاسر بن سوار عبدی : ان کا شمار مدرکین میں ہوتا ہے ، یہاں کے ایک پہاڑی مقام قلات کی جنگ میں شامل ہوئے ۔
سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی ؓ صحابی تھے ۔ ایک مرتبہ ہند کے مفتوحہ علاقوں کے والی مقرر ہوئے ۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ۔ ان کا عہدِ اقتدار ۶۰ھ سے لے کر ۶۴ھ تک یعنی تین سال کچھ مہینے ہے ۔ اس زمانے میں بھی سرحدات سندھ و ہند پہ مسلمانوں کی مساعی جہادیہ دستور جاری رہیں ۔ عہد یزید میں ایک صحابی ہندوستان آئے ، جن کا نام منذر بن جارود عبدی ہے ۔ یہ صحابی بوقان اور قلات وغیرہ علاقوں کی جنگوں میں شریک ہوئے اور وہیں وفات پائی ۔

کتابیات :-

۱۔ تاریخ طبری ۔ جلد ۲ ، ۳ ، ابن جریر طبری
۲۔ تاریخ الکامل ۔ جلد ۳ ، ابن اثیر
۳۔ فتوح البلدان ۔ بلاذری
۴۔ کتاب الخراج ۔ ابو یوسف
۵۔ جمہرۃ انساب العرب ۔ ابن حزم
۶۔ المعارف ۔ ابن قتیبہ
۷۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۔ حافظ ذہبی
۸۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۔ ابن عبد البر
۹۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۔ ابن حجر عسقلانی
۱۰۔ عجائب الہند ۔ بزرگ بن شہریار
۱۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ۔ غلام علی آزاد بلگرامی
۱۲۔ رجال الہند والسند ۔ قاضی اطہر مبارک پوری
۱۳۔ العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین ۔ قاضی اطہر مبارک پوری
۱۴۔ چچ نامہ ۔ محمد بن علی

ضیاء الدین لاہوری

ملّا دوست محمد قندہاری کی سرسیّد سے مبینہ ملاقات

ایک کرم فرمانے برہان دہلی کے ایک قدیم شمارے (ستمبر ۱۹۶۶ء) میں مطبوعہ مولانا حکیم فضل الرحمٰن صاحب سواتی کے ایک مضمون "سرسید اور دیوبند" کی عکسی نقل فراہم کی جس میں صاحبِ مضمون ملا دوست محمد خان قندہاری کی سرسید احمد خاں سے ایک ملاقات کا واقعہ خود انہی کی زبانی روایت کیا گیا ہے۔ اس پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین بھی اس کی تفصیلات سے آگاہ ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"میری عمر کم و بیش ۱۴ برس کی تھی میرے استاد جو میرے والد بزرگوار کے شاگرد بھی تھے، میں ان سے شرح جامی پڑھ رہا تھا کہ ان کو ایک خط موضع چارسدہ ضلع پشاور سے ان کے استاد ملا دوست محمد خان قندہاری کے پاس سے ملا کہ فوراً چلے آؤ جمعہ کے روز یہاں ایک عظیم الشان فاتحہ خوانی ہے اس میں آپ کی شرکت ضروری ہے خط دیکھتے ہی آپ جانے کے لیے آمادہ ہو گئے، میں بھی ساتھ ہو گیا، دوسرے روز صبح آٹھ بجے چارسدہ پہونچے، یہاں جامع مسجد میں جا کر دیکھا۔ لوگ بہت بڑی تعداد میں تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے ہم بھی تلاوت کرنے لگے ـــــ ملا دوست محمد خاں صاحب نے کہا کہ علی گڑھ کے سرسیّد احمد خاں صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، یہ قرآن خوانی ان کے حق میں ہے۔ ایک صاحب نے کہا "وہ تو نیچری تھے وہ ایسی فاتحہ خوانی کے قابل نہ تھے پھر ان کے حق میں یہ فاتحہ خوانی کیوں کی جاتی ہے"، ملا دوست محمد خاں نے کہا کہ ہم بھی پہلے ان کو نیچری ہی سمجھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند جب قائم ہوا تو میں اس میں داخل ہوا اور تعلیم پانے لگا۔ دارالعلوم کے جملہ اساتذہ اور طلباء سرسید احمد خاں کو بہت بُرا بھلا کہتے تھے کہ وہ اسلام کے حامی نہیں ہیں بلکہ حکومت برطانیہ کے حامی اور ثنا خواں ہیں اور یہ بھی سنتا تھا کہ علی گڑھ والے دیوبند والوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اس لیے میرے دل میں سرسید احمد خاں صاحب سے سخت نفرت پیدا ہو گئی، آٹھ سال تو یونہی گزر گئے، جب میں فارغ التحصیل ہو گیا تو ایک دن سرسیّد کی تفسیر قرآن میری نظر سے گذری جس نے علمائے دیوبند

کو بہت برافروختہ کر رکھا تھا۔ ایک دن میں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ اس تفسیر میں وہ کون سے مقامات ہیں جو اسلام کے خلاف ہیں، انہوں نے ان مقامات کو دکھایا تو میرے دل میں سرسید کے خلاف سخت نفرت پیدا ہوگئی۔ کیونکہ اس تفسیر میں جن وشیاطین اور ملائکہ کا انکار تھا۔ میں سخت طیش میں آگیا اور تفسیر کو بغل میں رکھ اور بڑی مضبوط لکڑی ہاتھ میں لے سرسید کا سر پھوڑنے کی غرض سے علی گڑھ روانہ ہوگیا۔ علی گڑھ پہونچ کر کالج پہونچا اور پوچھا کہ سرسید احمد کہاں ہیں؟ کسی نے کہا کہ سامنے جو کمرہ دکھائی دیتا ہے وہ اُس میں بیٹھے ہیں، میں جب اُس کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں گھنی اور لمبی داڑھی، چہرہ خوبصورت اور بارعب، شیروانی اور پاجامہ زیب تن ہے، میں نے السلام علیکم کہا اور پوچھا کہ سرسید احمد کہاں ہیں، میں اُن سے ملنے آیا ہوں، انہوں نے کہا کہ ان سے آپ کا کیا کام ہے اور آپ کہاں سے آئے ہیں، میں نے کہا " دیوبند سے آیا ہوں اور یہ تفسیر جو اُن کی تصنیف ہے اس کے متعلق ان سے گفتگو کرنی ہے " انہوں نے کہا " آپ تشریف رکھیے " اور ادھر چپراسی سے کہا کہ ٹھنڈا شربت بنا کر انہیں پلا دو، چپراسی نے فوراً تعمیل کی، گرمی کے دن تھے اس لیے ٹھنڈا شربت پیتے ہی میرا جوش فرو ہوگیا اور دل میں جو خیال تھا کہ سرسید کا سر پھوڑوں گا تو وہ خیال دل سے جاتا رہا، اب صرف گفتگو کا خیال باقی رہا۔ اتنے میں ایک نوجوان جو کوٹ پتلون میں ملبوس تھا سرسید نے اس سے کہا کہ دیکھو یہ صاحب دیوبند سے آئے ہیں نسلاً تو افغان معلوم ہوتے ہیں لیکن دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، جب سے ہمارا کالج قائم ہوا ہے دیوبند کا کوئی عالم یا فارغ التحصیل یہاں نہیں آیا ہے یہ پہلا اتفاق ہے جو ملّا صاحب تشریف لائے ہیں۔" یہ سنتے ہی وہ نوجوان مجھ سے بڑی محبت سے پیش آیا اور میری دست بوسی کی، اس کے بعد سرسید نے مجھ سے کہا کہ اِس نوجوان کو کچھ نصیحت کیجئے یہ کالج میں انگریزی کی تعلیم پا رہا ہے علوم دینیہ سے واقف نہیں، میں نے کہا میں کوئی مقرر نہیں ہوں، میں دارالعلوم میں آٹھ سال تعلیم پاکر اب فارغ التحصیل ہوا ہوں سند پاکر وطن جانے کے ارادے میں تھا کہ یہاں آگیا، انہوں نے فرمایا کہ تقریر کی کوئی ضرورت نہیں ہے آج کی رات شب معراج ہے، معراج کے بارے میں کچھ کہیئے۔ اس پر میں نے وہ طویل حدیث بیان کرنا شروع کردی جو کتب احادیث میں ہے، میں نے کہا رات کے وقت حضرت جبریلؑ براق لے کر آئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سوار کرا دیا اور ایک لحظہ میں بیت المقدس پہونچے

وہاں تمام انبیاء علیہم السلام جمع تھے آپ نے امامت کی پھر اوپر آسمان کی طرف پرواز کی، جب سدرۃ المنتہیٰ پہونچے تو حضرت جبریلؑ یہاں رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے پاس بلا لیا اور اپنے آپ کو انہیں دکھا دیا اور تمام امورِ شرعیہ سے آگاہ کر دیا، وہ نوجوان یہ تمام باتیں سن کر بہت برافروختہ ہوا اور بولا "ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ عیسوی اور یہودی مذہب میں ہی خلافِ عقل باتیں ہوتی ہیں اسلام میں ایسی باتیں جو خلافِ عقل ہوں نہیں ہوتیں، یہ سن کر مجھے اس نوجوان پر بہت غصہ آیا۔ لیکن سرسیّد کا رعب مجھ پر ایسا طاری تھا کہ میں کچھ نہ بولا، اب سرسیّد نے مجھ سے کہا کہ آپ کے پاس جو تفسیر ہے اسے کھول کر دیکھیے، آیت معراج کے تحت اس میں کیا لکھا ہے؟ اس تفسیر کو غور سے دیکھیے اور اس نوجوان کو بھی سنا دیجئے، چنانچہ میں نے اسے دیکھا اس میں درج تھا کہ معراج جسمانی نہ تھی بلکہ روحانی تھی اور یہ روایت حضرت عائشہؓ اور بعض دوسرے صحابہ سے مروی بتائی گئی تھی، یہ سُن کر نوجوان آمنا وصدقنا پکارنے لگا۔ اب سرسیّد نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا، ملّا جی! یہ کتاب میں نے ان طلباء کے واسطے لکھی ہے جو انگریزی کی تعلیم پا رہے ہیں، مذہب کی کوئی بات خلافِ عقل ہو تو یہ تسلیم نہیں کرتے، آپ نے جو حدیث سنائی، اس کے حرف حرف پر میرا عقیدہ ہے۔ "إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" بالکل صحیح ہے ملائک جو آسمانوں پر ہیں، ایک لحظہ میں زمین پر اُتر جاتے ہیں اور ہمارے رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چند منٹوں میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچ گئے اور اپنے محبوبِ پاک سے ملاقی ہوئے پھر جنّت اور دوزخ کا بھی اچھی طرح معائنہ کیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن پر میرا ایمان اور یقین کامل ہے۔ میں علمائے دیوبند کو ورثۃ الانبیاء کہتا ہوں، ان سے کہئے کہ وہ مجھے اپنا بھائی خیال کریں، انما المومنون اخوۃ یہ کالج میں نے اس لیے قائم کیا ہے کہ حکومت مسلمانوں پر نظرِ عنایت مبذول رکھے اور انہیں دشمن نہ سمجھے، ہندو بھائیوں نے تو حکومت میں اچھا اقتدار حاصل کیا ہے، اب اگر ہم حکومت کا اعتماد حاصل نہ کریں گے تو حکومت میں کوئی جگہ نہ ملے گی، میں اور کالج کے اساتذہ اور طلباء مذہب سے روگرداں نہیں ہیں جب کالج قائم ہوا تھا تو اُس وقت میں نے جو تقریر کی تھی اس میں یہ الفاظ تھے کہ کالج کے طلباء کے سر پر قرآن ہوگا اور سیدھے ہاتھ میں احادیث ہوں گی اور بائیں ہاتھ میں دنیوی علوم کی کتابیں۔ آپ علمائے دیوبند سے پوچھیے کہ میری تفسیر میں کیا کوئی ایسی بات ہے جو شیخ ابو علی سینا کی کتابوں میں موجود نہ ہو، شیخ ابو علی سینا کی تصانیف تو دارالعلوم کے نصابِ تعلیم

ہیں داخل ہیں اور مجھے ناحق ملحد کہتے ہیں، یہ سنتے ہی میں سر سید احمد خاں سے بغلگیر ہو گیا۔
اور صاف الفاظ میں کہا کہ آپ اپنی بات پر قائم رہیئے میں علمائے دیوبند کو آپ کے خیالات سے
اچھی طرح سے آگاہ کر دوں گا اور وہ لکڑی جو اُن کا سر پھوڑنے کے لیے میرے ہاتھ میں تھی
اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیا،،

فاضل مضمون نگار نے اپنے سامنے سر سیدؒ کے عقائد پر ہونے والی گفتگو کے ذکر کو جس طرح قلم بند کیا ہے اس سے حیرت ہوتی ہے کہ وہ چودہ برس کی عمر میں ہی اس موضوع پر اس قدر وسیع معلومات رکھتے تھے کہ ایسی پیچیدہ گفتگو کے مفہوم کو پوری طرح سمجھ لیا ورنہ ان کے لیے ایک عرصہ بعد اسے اس کی جزئیات کے ساتھ اس فصاحت سے بیان کرنا ممکن نہ ہوتا۔ ان کا طرزِ بیان نہایت دلچسپ اور انشائیہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے البتہ بیان میں چند باتیں واقعاتی طور پر محلِ نظر ہیں اور بعض مقامات پر بیان کنندہ یا راوی میں سے کسی نہ کسی سے تسامح ہوا ہے لہٰذا اصل حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے اس واقع کا تجزیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ذیلی باتوں کو چھوڑتے ہوئے صرف چند بنیادی نکات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ :

۱۔ اس وقت مولانا محمد قاسمؒ حیات تھے اور ملا صاحب نے انہی سے خلافِ اسلام تفسیری مقامات کی نشان دہی کروائی۔

۲۔ سر سید کی تفسیر شائع ہو چکی تھی اور وہی تفسیر ملا صاحب بغل میں داب کر علی گڑھ روانہ ہوئے۔

۳۔ روزِ گفتگو شبِ معراج تھی اور یہی موضوع گفتگو کی بنیاد بنا۔

ان نکات میں بیان کردہ زمانے کا تعین کیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔

۱۔ مولانا محمد قاسم ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بمطابق ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء تک حیات تھے۔ (علماءِ ہند کا شاندار ماضی، صفحہ ۳۲۶ اور سر سیدؒ کی تعزیتی تحریریں، صفحہ ۱۴)

۲۔ مولانا کے سالِ وفات تک سر سید کی تفسیر کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا تھا اور یہ اشاعت اول تھی جو اُسی سال یعنی ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں منظرِ عام پر آئی۔

۳۔ تفسیر کی اشاعت کے بعد سب سے پہلا روزِ "شبِ معراج" زیادہ سے زیادہ ۲۶ رجب ۱۲۹۷ھ مطابق ۴ جولائی ۱۸۸۰ء کو واقع ہوا۔ (جوہر تقویم، صفحہ ۲۱۱)

ہم فرض کر لیتے ہیں کہ سر سیدؒ کی تفسیر کا متذکرہ حصہ مولانا محمد قاسمؒ کے انتقال والے مہینے تک چھپ چکا تھا اور ملّا صاحب نے انہی دنوں میں ان سے قابلِ اعتراض مقامات کی نشاندہی کروائی جس

پر وہ "سخت طیش کی حالت میں سرسیّد کا سر پھوڑنے کی غرض سے" علی گڑھ روانہ ہوگئے۔ غضب کے اس عالم میں بھی ممکن ہے کہ دیوبند سے ان کی روانگی میں زیادہ سے زیادہ دو چار روز کی تاخیر ہوگئی ہو مگر بڑی عجیب بات ہے کہ وہ مولانا کے انتقال (۴ جمادی الاولیٰ) سے بھی پونے تین ماہ بعد (۲۶ رجب کو) علی گڑھ پہنچے یہاں یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ بیان میں کچھ تسامح ہوا اور ملا صاحب فوری طور پر نہیں بلکہ چند مہینے بعد روانہ ہوئے مگر بحث کے دوران سرسید کا ان سے یہ کہنا کہ "آپ کے پاس جو تفسیر ہے اسے کھول کر دیکھئے کہ آیت معراج کے تحت اس میں کیا لکھا ہے؟" اور جواباً وہاں معراج النبیؐ کے جسمانی یا روحانی ہونے کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ یا دوسرے صحابہ کی کسی روایت کا ذکر موجود ہونے کا ذکر قطعی محلِ نظر ہے۔ تفسیر کے متذکرہ حصے میں ان مقامات کا کوئی وجود نہیں۔ اس موضوع پر بحث تفسیر کے حصہ ششم میں شامل ہے جو مولانا محمد قاسمؒ کے انتقال کے پندرہ برس بعد ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح سرسید کی زبانی ان سے یہ الفاظ اگلوائے گئے ہیں کہ "جب کالج قائم ہوا تھا تو اس وقت میں نے جو تقریر کی تھی اس میں یہ الفاظ تھے کہ کالج کے طلبہ کے سر پر قرآن ہوگا .... (وغیرہ)" اگرچہ یہ الفاظ ہو بہو وہ نہیں مگر انہی جیسے ہیں اور بہت مشہور ہیں البتہ وہ کالج کے قیام کے سولہ سترہ برس بعد سرسید کی ۱۸۹۴ء میں کی گئی ایک تقریر کا اقتباس ہیں (خطبات سرسید جلد دوم صفحہ ۲۷۷) جب کہ بیان کنندہ اسے زیادہ سے زیادہ ۱۸۸۰ء کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ یہاں پر بھی ہم اس واقعہ کے قدیم ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے اس مفروضے کے ساتھ تسامح کی بات ختم کرتے ہیں کہ بیان کنندہ یا راوی کا اس موضوع پر بعد کے زمانے کا مطالعہ یا دیگر یادداشتیں اس واقعے میں آمیزش کا باعث ہوگئی ہوں گی۔

متذکرہ بالا نکات کے تجزیے کے بعد ہم سرسیّد کے اس مبینہ جواز کی طرف آتے ہیں جو انہوں نے ملا صاحب کے سامنے اپنے ذاتی عقائد اور اپنی تفسیروں میں اختلاف ہونے کے بارے میں بیان کیا۔ جہاں تک سرسیّد کا تعلق ہے ظاہری طور پر اُن سے یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اُنہوں نے سنجیدگی کے ساتھ اپنے ان عقائد کی تردید کی ہو جن کا وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ پرچار کر رہے تھے۔ اُن کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اپنے آج کے پرستاروں کی مانند اس طرح جوازات کے دفتر قائم نہیں کرتے تھے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ وہ ملا صاحب کی بیان کردہ باتوں پر اپنے ایمان اور یقینِ کامل کا اظہار بھی کریں اور اس ایمان و یقین کے خلاف بھرپور انداز میں کتابیں بھی لکھیں اور ایسا کرتے ہوئے جملہ مفسرین کرام کو خوب خوب رگیدیں اور اس تمام "جدوجہد" کا مقصد محض یہ ہو کہ انگریزی پڑھنے والے طلبہ جو خلافِ عقل باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

مطمئن ہو جائیں گے۔ سرسید کی تفسیری تحریروں پر غور فرمائیے کہ انہوں نے جس فلسفیانہ اور منطقی انداز
میں متعدد مسائل پر بحث کی ہے، کیا کالج میں انگریزی کی تعلیم پانے والے طالب علم اس قابل تھے کہ اس
بحث کو سمجھ سکیں؟ پھر جب صورت یہ ہو کہ سرسید خود ملا صاحب سے ایک نوجوان کو نصیحت کرنے کی فرمائش
کریں جو اُن کے بقول "کالج میں انگریزی کی تعلیم پا رہا ہے اور علومِ دینیہ سے واقف نہیں ہے۔" وہ نوجوان
تو سرسید کی پروازوں کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتے تھے۔ سرسید کے مخالفین ہوں یا ان کے شیدائی یا پھر غیر
دار محقق، کوئی بھی متذکرہ گفتگو میں سرسید سے منسوب عقائد کو ان کے ذاتی افکار تسلیم نہیں کر سکتا۔ ان
لاکھ اختلاف کرنے والے بھی یہ تسلیم کریں گے کہ وہ اندر اور باہر سے ایک تھے۔ انہوں نے خود پر کفر
کے فتوے عائد ہونا گوارا کر لیے مگر اپنی بات پر اڑے رہے۔ وہ اپنی ہٹ کے پکے تھے۔ بقول مولانا محمد
"کوئی کچھ کہو وہ اپنی وہی کہے جائیں گے، ان کے اندازِ تحریر سے نمایاں ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایسا سمجھتے
ہیں کہ کبھی غلط نہ کہیں گے۔" (تصفیۃ العقائد، صفحہ ۹)۔

ایسی صورت میں ان کا اپنے ہی اشاعتی افکار کی تردید کرنا سخت تعجب انگیز ہے۔ یہ جواز کہ "یہ
کتاب میں نے ان طلبہ کے واسطے لکھی ہے جو انگریزی کی تعلیم پا رہے ہیں" اس کی تردید میں سرسید کا
درج ذیل بیان ہی کافی ہے۔

"اگر زمانے کی ضرورت مجھ کو مجبور نہ کرتی تو میں کبھی اپنے ان خیالات کو ظاہر نہ کرتا بلکہ لکھ کر
اور لوہے کے ایک صندوق میں بند کر کے چھوڑ جاتا اور یہ لکھ جاتا کہ جب تک ایسا اور ایسا
زمانہ نہ آئے اس کو کوئی کھول کر نہ دیکھے۔ اور اب بھی میں اس کو بہت کم چھپواتا ہوں اور
گراں بیچتا ہوں تاکہ صرف خاص خاص لوگ اس کو دیکھ سکیں۔ سردست عام لوگوں میں اس
کا شائع ہونا اچھا نہیں۔" (حیاتِ جاوید، حصہ دوم ص ۵۴۳)

یعنی سرسید جو کچھ لکھ رہے تھے وہ ان کے "اپنے" خیالات تھے جنہیں انہوں نے بہ مجبوری
ظاہر کیا۔ غور کا مقام ہے کہ جو راز سرسید کے قریب ترین رفقائے کار سے عمر بھر مخفی رہا اور جسے سارے
ملک کے علماء فضلاء اور اساتذہ کبھی نہ جان سکے وہ انہوں نے ملّا صاحب پر پہلی ہی ملاقات میں عیاں
کر دیا، اور پھر دیوبند کے تازہ فارغ التحصیل ملا صاحب کی سادہ لوحی ملاحظہ فرمائیے کہ اُسے نہ صرف
بغیر سوچے سمجھے فوری طور پر قبول کر لیا بلکہ سرسید کو اپنی بات پر قائم رہنے یعنی اپنا سلسلہ جاری رکھنے
"تلقین بھی کر دی۔ میری دانست میں اصل بات یہ ہے کہ ملا صاحب کی سرسید سے ملاقات ہی مشتبہ

اس زمانے میں آج کی مانند، کہ ایک بچہ بھی اخبارات میں مشہور لوگوں کی تصاویر کی روزمرہ اشاعت کے باعث انہیں فوراً پہچان لیتا ہے، تصویر کا زیادہ رواج نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ایسے اخبارات موجود تھے۔ نیز علمائے کرام اس معاملے میں اتنے سخت واقع ہوئے تھے کہ اپنے حلقوں میں ایسے رسائل یا کتابیں نہیں گھسنے دیتے تھے جن میں تصویریں چھپی ہوئی ہوں۔ ملا صاحب نے جس طرح اپنی کیفیت بیان کی ہے، یوں لگتا ہے کہ وہاں پر موجود سرسید کے کسی بزرگ دوست نے ان کے تیور دیکھتے ہوئے خود کو سرسید ظاہر کیا اور متذکرہ بالا گفتگو کر کے ان سے جان چھڑائی۔ اس طرح ملا صاحب ان کی اصلیت نہ پہچان سکنے کے باعث ان تمام باتوں کو سچ سمجھے۔ چند برس قبل خود میرے ساتھ کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ایک پروفیسر صاحب کی درسی کتاب پڑھ کر میں اس میں بیان کردہ ایک عالمِ دین کی تحریر کے ایک اقتباس کا ماخذ معلوم کرنے کے لیے ان کے کالج میں گیا۔ ان کے شعبے کے چھوٹے سے سٹاف روم میں داخل ہوا تو وہاں تین چار اساتذہ کو بیٹھے ہوئے پایا۔ میں نے ان میں سے ایک صاحب سے ان پروفیسر کا نام لے کر دریافت کیا تو انہوں نے سامنے کی میز پر بیٹھے ہوئے صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ ہیں۔ میں ان کے پاس گیا، اپنا تعارف کروا کر انہیں حقائق پر مبنی اسباق پیش کرنے پر مبارک باد دی اور اپنا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ متذکرہ اقتباس کا ماخذ بتانے سے قاصر ہیں کیونکہ ان کی عادت ریکارڈ رکھنے کی نہیں ہے۔ اس دوران میری ان سے متعلقہ موضوع پر کچھ گفتگو ہوئی تو میں حیران ہوا کہ کتاب میں جو خیالات ظاہر کیے گئے ہیں وہ اس سے متضاد باتیں بیان کر رہے تھے۔ اس تعجب کا اظہار میں نے بعد میں ایک روز ایک واقف کار پروفیسر سے کیا جو اس کالج میں تبدیل ہو کر گئے تھے۔ انہوں نے ان مصنف پروفیسر سے بات کی تو معلوم ہوا کہ میری ملاقات ان سے نہیں بلکہ ان کے ایک ساتھی سے ہوئی تھی اور انہیں اسی روز دوستانہ معذرت کے ساتھ اس قصہ سے آگاہ بھی کر دیا گیا تھا۔

مولانا حافظ محمد انوار الحق حقانی
استاذ حدیث و نائب مہتمم دار العلوم حقانیہ

وفیات

حضرۃ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کو صدمہ

داعی کبیر حضرت العلامہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کو رمضان المبارک میں دو خاندانی حادثوں سے صدمہ ہوا۔ ۱۸ رمضان المبارک کو ان کی بھتیجی جو مولانا محمد رابع کی اہلیہ تھیں اس دار فانی سے رحلت فرماگئیں۔ ابھی یہ زخم تازہ تھا کہ ان کی ہمشیرہ سیدہ امت العزیز جو مولانا محمد رابع صاحب اور مولانا محمد واضح صاحب کی والدہ تھیں بھی انتقال کر گئیں۔ دار العلوم میں ہر دو کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا، ادارہ مولانا مرحوم اور دیگر پسماندگان کے ساتھ غم میں برابر کا شریک ہے۔

آہ آپا جی رح

حکیم الامت حضرت تھانوی کے خلیفۂ اجل اور اپنے عصر کے عظیم مرشد و ولیٔ کامل حضرت مفتی محمد حسن رح کی اہلیہ محترمہ جن کو اہلِ خانہ و متوسلین و معتقدین "آپا جی" کے نام سے پکارتے ۱۸ مارچ بروز جمعرات داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے تمام متعلقین کو داغِ مفارقت دیا اور خالق حقیقی سے جا ملیں اس امتِ مرحومہ پر رب ذوالجلال کا بے پناہ احسان ہے کہ انبیاء کے بعد علماء حق کے ایک طویل سلسلہ کو پیدا فرمایا جو وارثین انبیاء کی حیثیت سے ہر دور میں امت کو راہ حق پر چلانے کے لیے ہمہ تن مصروف رہے اور انشاء اللہ العزیز یہی سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ اور پھر یہ سلسلہ نہ صرف مردوں تک محدود تھا بلکہ ان کے ساتھ ساتھ عورتوں میں ایسی بے شمار خدا ترس اور صالح عورتوں کی جماعت ہر زمانہ میں پیدا فرمائی کہ مسلمانوں کی قریباً نصف کے قریب افرادی قوت جو عورتوں پر مشتمل ہے کو صراطِ مستقیم پر لانے کے لیے ہر قسم کی قربانی دی حضرت عائشہ اور رابعہ بصریہ کے کارہائے نمایاں ہمارے سامنے ہیں عورت اگر اپنے اندر دینی کمال پیدا کرنا چاہے تو وہ بڑے بڑے مردوں کی مربی اور نجات دہندہ

بن سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی بے پناہ صلاحیتوں کو دیکھئے کہ بڑے بڑے اَجلّہ صحابہ مثلاً ابن عباسؓ کئی مسائل میں حضرت عائشہ رضؓ سے فتویٰ لے کر اپنی تسلی فرماتے۔

حضرت آپاجیؒ کا تعلق اور شمار بھی مسلمانوں کی صالح، خداترس، عبادت گزار اور حقیقی معنوں میں راہ حق پر چلنے والی عورتوں کے قافلہ میں سرفہرست ہوتا ہے، اپنی ساری زندگی شیخ طریقت حضرت مفتی محمد حسن نور اللہ مرقدہٗ کی معیت میں ایک وفاشعار و پاکباز بیوی کی حیثیت سے گزار کر ان کے انوار و برکات سے پوری طرح مستفید ہوتی رہی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی رحلت کے بعد ان کے تمام منتسبین پیغامات وخطوط کے ذریعے فیوضات و دعوات کے لیے اسی مونسہ کاملہ کی طرف رجوع کرتے بزرگی، اخلاص وتقویٰ اور تعلق مع اللہ جیسے کمالات پر مضبوطی سے قائم رہنے کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت کی مالکہ تھیں۔ اتباع سنت اور شریعت کی پابندی کا یہ حال کہ چند برس قبل رمضان میں عمرہ کے لیے جانے کا بندہ و برادر مکرم حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ کا پروگرام بنا۔ ساتھیوں کے اس قافلہ میں کچھ خواتین میری قرابتدار اور چند مولانا فضل الرحیم کی شریک سفر رہیں۔ خوش قسمتی کہ حضرت آپاجی بھی ساتھ رہیں۔ عمرہ کے سفر کے اژدھام اور افراتفری کے باوجود بھی حضرت آپاجیؒ نے کسی وقت پردہ جیسے اہم مسئلہ پر سختی سے قائم رہ کر کسی وقت بھی اپنے چہرہ اقدس پر غیر محرم کی نظر پڑنے نہ دی۔ حالانکہ ایک ساتھ سفر کی ابتداء ہو کر اختتام سفر اور رہنا وغیرہ بھی ایک ساتھ رہا۔ جب بھی دیکھا ایک گتہ یا رسالہ ہاتھ میں پکڑے چہرہ کے سامنے ہوتا۔ یہ ہے ہمارے اسلاف کا نمونہ کہ ایک ایک سنت اور حکم شرعی کو بھی باوجود مشکلات کے ترک نہ کیا۔

عبادت گزاری کا یہ عالم کہ سفر کے دوران اقامت موجودہ پاکستان ہاؤس جو حرم مقدس مکہ مکرمہ سے کافی دور اور راستہ دشوار تر ین اور موسم سخت گرمی کا۔ مگر جب بھی دیکھا جوان ساتھیوں مرد وعورت سے پہلے باوجود بڑھاپے و نقاہت نماز باجماعت کے لیے مسجد حرام میں پہنچ جاتیں۔

اللہ نے وہ مومنانہ فراست، دانائی اور فہم عطا فرمایا کہ بقول مولانا فضل الرحیم صاحب کے جب بھی ملک کے مشہور اور بڑے دینی ادارہ جامعہ اشرفیہ میں انتظامی، تعمیری، تعلیمی یا کوئی بھی اہم و مشکل مسئلہ درپیش آیا انہی کے مشورہ اور رائے سے ہر گھمبیر مسئلہ آسان ہو کر حل ہو جاتا۔

حضرت مفتیؒ چونکہ مردم شناس شخصیت کے حامل تھے دارالعلوم حقانیہ کے روز تاسیس ہی سے حضرت والدؒ کے ساتھ خصوصی محبت اور تعلق فرماتے رہتے کئی بار دارالعلوم کے سالانہ اجتماعات

کے موقع پر باوجود بیماری اور پاؤں کی تکلیف کے اہلیہ مرحوم کے ہمراہ اکوڑہ خٹک آمد کا ارادہ بھی فرمایا
مگر عین آمد کے موقع پر عارضہ بڑھنے کی وجہ سے تشریف آوری نہ ہو سکی ۔ ان کی رحلت کے بعد بھی ان
کے صاحبزادگان، حضرت والدؒ اور ہم سب کے ساتھ وہی تعلق رکھا الحمدللہ وہی تعلق ومحبت اب
خاندانی ورشتہ داری کے بندھنوں سے بھی بڑھ چکا ہے سوء قسمت کہ آپا جیؒ کی وفات پر برادرم
مولانا سمیع الحق مدظلہ اور بندہ سفر میں کچھ اس طرح مصروف رہے کہ جنازہ میں شرکت سے محروم رہے
دوسرے روز حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور احقر نے لاہور خود حاضر ہو کر حضرۃ مولانا عبیداللہ وحضرۃ مولانا عبدالرحمٰن
حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ وجمیع اعزہ واقارب سے اُن کی عظیم والدہ مرحومہ کی وفات
پر تعزیت کر کے ان کی مغفرت کے لیے دعوات کیں ۔
دارالعلوم کے تمام طلباء واساتذہ نے دروس کے بعد مرحومہ کی مغفرت کے لیے خصوصی دعاؤں
کا اہتمام کیا دارالعلوم و ماہنامہ الحق کے تمام اساتذہ وطلبا ر ومتعلقین مرحومہ کے خاندان کے ساتھ شریک
تعزیت ہیں ۔

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ کا سانحہ ارتحال

۱۸ جنوری کو علاقہ چھچھ کے جید اور مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ بھی علالت
کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے مرحوم کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے بانی شیخ الحدیث حضرت
مولانا عبدالحقؒ سے خصوصی تعلق خاطر تھا انہوں نے سانحہ ارتحال سے کچھ عرصہ قبل اپنا ذاتی کتب خانہ
دارالعلوم کے لیے وقف کر دیا تھا جو مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ ہے ادارہ مرحوم کے خاندان کے ساتھ تعزیت
میں برابر کا شریک ہے دارالعلوم میں مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دعا مغفرت کا اہتمام کیا گیا ۔

قاری محمد زرین نقشبندی اور قاری محمد یوسف ہزاروی کی والدہ کی وفات

جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی کے ناظم اعلیٰ "قاری محمد زرین نقشبندی اور قاری محمد یوسف ہزاروی
کی والدہ ماجدہ مورخہ ۱۷ مارچ ۹۶ء بروز اتوار انتقال فرما گئیں ۔" انا للہ وانا الیہ راجعون "
قارئین سے مرحومہ کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے ۔

ڈاکٹر فاروق سلیمی - ایم اے پی ایچ ڈی -

پی ٹی وی کا مذموم نشریاتی کردار اور

یورپین اہلِ فکر کی حقیقت پسندی کا اظہار

وطنِ عزیز آج کل جرائم کی شدید یلغار میں ہے اور خصوصاً ڈاکہ زنی اور خواتین و بچوں سے ورزندگی روزمرہ کا معمول بن گیا ہے - اس کی اگرچہ کئی وجوہات ہیں، لیکن سب سے بڑا سبب ٹی وی پر عریانی و فحاشی کا پرچار ہے - بدقسمتی سے ٹی وی کے سارے چینلوں پر ایسے ڈرامے اور فلمیں دکھائی جاتی ہیں جن سے ایک طرف نوجوانوں کے جنسی جذبات مشتعل ہوتے ہیں اور دوسری جانب انہیں دہشت گردی، قانون شکنی، بلکہ ڈاکہ زنی کی ترغیب ملتی ہے - یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ امریکہ کے ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ جب ایک نوجوان عریاں مناظر پر مبنی کوئی فلم دیکھتا ہے تو وہ اُس وقت تک بے قرار رہتا ہے جب تک اسے عملی صورت نہیں دے لیتا - چنانچہ اخبارات میں گینگ ریپ کی جو خبریں تواتر سے چھپ رہی ہیں اُس کا بنیادی سبب عریاں ویڈیو فلموں کی بھرمار اور بھارتی و امریکی ٹی وی چینلوں پر جنسی مناظر پر مشتمل ڈراموں کی کثرت ہے -

یہ حقیقت بے حد تشویش ناک ہے کہ خصوصاً دیہات اور چھوٹے قصبوں میں نوعمر لڑکے بھی مشترکہ چندہ جمع کر کے جمعرات کی شب وی سی آر کرایہ پر لاتے اور ہندوستانی فلمیں دیکھتے ہیں - نتیجہ یہ کہ دیہات میں کسی غریب کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں رہی - حتیٰ کہ نوعمر خوبصورت لڑکوں کی آبرو اور زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے اور اخبارات میں اس نوع کی خبریں چھپ چکی ہیں -

ضرورت اس امر کی ہے کہ صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کیا جائے اور قومی اخلاق و کردار کی حفاظت کی فکر کی جائے ——— اربابِ اختیار کی اطلاع کے لیے ٹی - وی کی ہلاکت آفرینیوں سے امریکہ اور یورپ کے انسانیت نواز دانشور بھی پریشان ہو گئے ہیں - چونکہ ہمارا حکمران طبقہ یورپ کی آراء ہی کو مستند اور معتبر سمجھتا ہے - اس لیے ذیل میں ٹی - وی کے اثرات کے حوالے سے مختلف ماہرین نفسیات اور سائنس دانوں کے نتائجِ فکر پیش کیے جا رہے ہیں - خدا کرے یہ آراء اُن کے دلوں پر دستک دے سکیں اور وہ وطنِ عزیز کی آئندہ نسلوں کو تباہی اور زوال کے اندھیروں میں غرق ہونے سے بچا سکیں - لیجئے مختلف سائنسدانوں کی مستند آراء ملاحظہ فرمائیے -

۱۔ ہاورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر رابرٹ پٹنام نے اپنی کتاب "تنہا انسان" میں لکھا ہے "جس ٹیکنالوجی نے انسان کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے ان میں ٹیلی ویژن سر فہرست ہے اور اگر اُسے وی سی آر اور کیبل سے منسلک کر دیا جائے تو یہ اور بھی خطرناک صورت اختیار کر جاتا ہے۔ الیکٹرونک ٹیکنالوجی سے ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق مزا لیتا ہے لیکن اس کی قیمت اُسے چکانا پڑتی ہے جب وہ اپنے دوستوں، عزیزوں حتیٰ کہ اہل خانہ کا حال چال پوچھنے کی بجائے صرف "ہیلو" پر اکتفا کرتا ہے ایک امریکی ہر ہفتے اوسطاً اٹھائیس گھنٹے ٹی۔وی دیکھتا ہے ــــ اور ٹی۔وی نے ہمیں اپنی ہی نظروں سے گرا دیا ہے۔ ٹی۔وی پر ہم شاندار قابلِ رشک زندگی دیکھتے ہیں، اشتہارات ہمیں ایک نئی دنیا کی خبر دیتے ہیں۔ ٹی۔وی کی اس گلیمرس لائف کا مقابلہ جب ہم اپنی زندگیوں سے کرتے ہیں تو خود کو بہت کمتر محسوس کرتے ہیں چنانچہ انسان اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہو کر ڈیپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں امریکہ کے بہت سے شہروں میں جب ٹیلی ویژن کی نشریات شروع ہوئیں تو چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں اچانک بڑھ گئیں۔"

۲۔ ایک اور امریکی مصنّف جارج ولیمز نے اپنی کتاب "ہم بیمار کیوں پڑتے ہیں"؟ میں لوگوں کی نفسیاتی بیماریوں کا بنیادی سبب ٹی۔وی اور اس قسم کے دوسرے میڈیا کو قرار دیا ہے جو ہمیں ایسے خواب دکھاتا ہے جسے کوئی پورا نہیں کرسکتا۔ ٹی۔وی نے نہ صرف لوگوں کے وقت پر قبضہ کر لیا ہے بلکہ ان میں طبقاتی تفریق کے احساس کو ابھارا ہے اور خود نمائی و خود غرضی کو فروغ دیا ہے۔

(بحوالہ جنگ جمعہ ایڈیشن ۲۹ ستمبر ۹۵ء)

۳۔ تشدد اور لڑائی جھگڑوں سے بھرپور فلمیں اور ٹی۔وی ڈرامے دیکھنے والے مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو کر زندگی سے محروم ہو سکتے ہیں۔ ڈیوک یونیورسٹی کے ڈاکٹر ریڈ ولیم کی ایک تازہ ترین تحقیق کے مطابق سکرین پر اس قسم کے مناظر دیکھنے سے بلڈ پریشر، ہارٹ اٹیک اور مدافعتی نظام میں گڑبڑ جیسی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تحقیق کے دوران اٹھارہ مردوں اور ۲۳ خواتین کا سروے کیا گیا جنہیں دس روز تک ایسی فلمیں دکھائی گئیں ــــ حیرت انگیز طور پر تمام افراد کا بلڈ پریشر معمول سے بڑھ چکا تھا۔ ڈاکٹر ریڈ ولیم کے مطابق بلڈ پریشر سے دل کو خون مہیا کرنے والی شریانیں متاثر ہوتی ہیں جس سے دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔ اس سے جسم میں ہارمونز کی سطح بھی بلند ہو جاتی ہے جس سے مدافعتی نظام کمزور ہو جاتا ہے جو سرطان جیسے خطرناک مرض کا باعث بنتا ہے۔

(روزنامہ خبریں لاہور ۱۴ جون ۹۵ء)

۴۔ مسلسل ٹی۔وی دیکھنے سے انسان کی جسمانی و ذہنی صحت اور تخلیقی صلاحیتوں پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بھارت کے شہر پونا کے دو محققین اے۔ بجے واڈکر اور ڈاکٹر سچن جے شاہ نے چھ سے گیارہ سال کی عمر کے پانچ ہزار بچوں پر مسلسل ٹی۔وی دیکھنے کے مضر اثرات کا مشاہدہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسلسل ٹی۔وی دیکھتے رہنے سے بچوں میں بے خوابی، چڑچڑاپن، اختلاج قلب اور بلڈ پریشر کے عوارض پیدا ہونے کے علاوہ سماجی طور پر بڑوں کا ادب و احترام بھی کم ہو جاتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کی پروا بھی نہیں رہتی ـــــ مذکورہ ڈاکٹروں نے اپنی سروے رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ بچوں میں زیادہ ٹی۔وی دیکھنے سے نسیان (بھولنے کی) بیماری بھی پیدا ہو جاتی ہے

(نوائے وقت لاہور ۲۰ جون ۹۵ء)

۵۔ امریکہ اور یورپ میں ہمہ نوع جرائم کی کثرت پر تبصرہ کرتے ہوئے بین الاقوامی شہرت کی حامل ماہر عمرانیات ڈاکٹر ڈائن رسل نے برملا کہا ہے کہ اس صورتِ حال کا بنیادی سبب فحش رسالوں کی بہتات، مخرب اخلاق عریاں ٹی۔وی پروگرام، جنسی فلمیں اور خاندانی نظام کی تباہی میں مضمر ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ ریڈیو اور ٹی۔وی پر فحش پروگرام اور گلی کی ہر نکڑ پر بکنے والے عریاں رسالوں سے جنسی طوفان ابل رہا ہے۔ چنانچہ ان کے خیال میں محض قانون سازی کافی نہیں بلکہ ڈی ڈی ٹی چھڑکنے کے ساتھ ساتھ ان جوہڑوں کا پاٹنا بھی ضروری ہے۔

(تکبیر کراچی ۷ ستمبر ۸۴ء)

۶۔ امریکی میگزین ٹائم کے مطابق امریکہ میں والدین، اساتذہ اور قانون دانوں نے واشنگٹن میں ایک مشترکہ ریلی کا اہتمام کیا جس میں ایسے قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا جو رسالوں، کتابوں، ویڈیوز اور کمپیوٹر کے ذریعے بڑھتی ہوئی عریانیت کے سامنے بند باندھ سکیں۔ ایک امریکی سینیٹر نے بھی اس امر پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ گھروں میں کمپیوٹروں کے ذریعے عریاں فلموں کی نمائش ہو سکتی ہے

(خبریں لاہور ۱۲ جولائی ۹۵ء)

۷۔ سنگاپور کے سابق وزیر اعظم اور ممتاز دانشور لی کوآن یو نے کہا ہے کہ فحاشی تہذیب کا بیڑہ غرق کر دے گی۔ حکومتوں کو چاہیئے کہ غلط اور صحیح کے درمیان لکیر کھینچ دیں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ اگر ہر کوئی ایک تھالی کے برابر ڈش انٹینا سے عریانیت حاصل کرنے لگ جائے تو

حکومتوں کو کچھ کرنا چاہیئے ورنہ ہماری نوجوان نسل اور انسانی تمدن تباہ ہو جائیں گے ۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر میں اپنے گھر کے صحن میں کوئی غلط کام کروں تو یہ میرا نجی معاملہ نہیں ہوگا ۔ اگر ہر کوئی ایسا کرے گا تو پھر بچوں کا کیا ہوگا ؟ وہ تو لازماً بگڑ جائیں گے ۔ (جنگ لاہور ، اکتوبر ۱۹۹۵ء)

یہ چند آراء دنیا کے معروف دانشوروں ، ماہرین نفسیات ، سائنسدانوں اور تجزیہ نگاروں کی ہیں ، کاش ہمارے ارباب اختیار ان پر سنجیدگی سے توجہ دیں اور عریانی و فحاشی کے اس سلسلے کو روک دیں جو سرکاری سرپرستی میں پھیلایا جارہا ہے اور جو ہماری معاشرتی و اخلاقی قدروں ہی کو تباہ و برباد نہیں کرے گا بلکہ مختلف النوع ذہنی اور جسمانی امراض کا سبب بن جائے گا اور اس قوم کی رہی سہی صلاحیتوں کو مفلوج کرکے اسے مکمل زوال اور غلامی کے اندھیروں میں پھینک دے گا کہ تاریخ کا ہمیشہ سے یہی فیصلہ چلا آرہا ہے ۔

(بقیہ صد ۲۹ سے)
الفاظ میں ادا فرمایا ..... اے میرے بندو ! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے ۔ اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے ۔ تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا ۔

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں ۔ اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک و صاف رہنا چاہیئے ۔ آپ نے فرمایا ، "خدا پاکیزہ ہے ۔ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور پاک و صاف ہے ۔ پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے ۔ تو تم پاک و صاف رہا کرو ۔ یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو ۔

(سیرت النبی ج ششم صد ۵۱۷ تا صد ۵۲۳ ملخصاً)

غرض اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا انعکاس بندوں میں دیکھنا پسند کرتا ہے ۔ اور ان کا ظہور انسانی اخلاق میں پسند فرماتا ہے ۔ اس بنا پر اسلامی نظریہ اخلاق کی بنیاد تمامتر صفات باری تعالیٰ کے عقیدہ اور معرفت پر ہے ۔ جس کی تشریح انشاء اللہ تعالیٰ اخلاق کے ذیل میں آئے گی ۔

جناب ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

انسانی بنیادی حقوق اسلام کی نظر میں

اسلام نے بنیادی حقوق کا تصور اس وقت دیا جب اہل مغرب اس تصور سے ناواقف تھے۔ اہل مغرب کے ہاں بنیادی حقوق کی تاریخ اقوام متحدہ کے چارٹر یا انگلستان کے منشور آزادی (MAGNA CARTA) سے ہوتی ہے۔ کنگ جان نے ۱۲۱۵ء میں انگلستان میں منشور آزادی (MAGNA CARTA) جاری کیا تھا۔ طام پین (۱۷۳۷ تا ۱۸۰۹ء) نے "حقوق انسانی" کا پمفلٹ شائع کیا تھا جس سے اہل مغرب کے حالات پر بڑا انقلابی اثر پڑا تھا۔ فرانس میں ۱۷۸۹ء میں "منشور حقوق انسانی" شائع ہوا۔ اس میں قوم کی حاکمیت، آزادی اور مساوات نیز ملکیت کے بنیادی حقوق کو تسلیم کیا گیا۔ امریکہ کی دسویں ترمیم میں بھی چند بنیادی حقوق گنوائے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں بگوٹا کانفرنس میں امریکی ریاستوں نے انسانی حقوق وفرائض کا منشور منظور کیا۔ اقوام متحدہ کی کاوشوں سے آخر کار "عالمی منشور حقوق انسانی" منظر عام پر آیا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو یہ منشور منظور کیا گیا۔ اس کے دیباچے میں درج ہے کہ اس منشور کا مقصد "انسانی حقوق کا احترام قائم کرنے اور نسل وصنف یا زبان ومذہب کا امتیاز کیے بغیر تمام انسانوں کو بنیادی آزادیاں دلوانے کے کام میں بین الاقوامی تعاون کا حصول ہے نیز فرد انسانی کی عزت واہمیت میں مردوں اور عورتوں کے حقوق میں مساوات قائم کرنا"

انسانی حقوق کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اہل مغرب کے ہاں انسانی حقوق کا تصور دو تین صدیاں قبل نہیں ملتا جب کہ اسلام میں حقوق انسانی کا تصور قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع کے خطبے میں ملتا ہے۔ یہ (حجۃ الوداع) انسانی حقوق کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا منشور ہے۔ حضور اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ نے ان حقوق پر عمل بھی فرمایا۔

اسلام میں بنیادی حقوق کا تذکرہ

اسلام میں مندرجہ ذیل بنیادی حقوق کا تذکرہ ملتا ہے۔

۱۔ حرمت جان: اسلام ہر انسان کو جینے کا حق دیتا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۳۲ ملاحظہ ہو۔

"جس نے کسی شخص کو بغیر اس کے کہ اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو یا زمین میں فساد انگیزی کی ہو، قتل کر دیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے اسے زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔"

۲۔ معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ: حدیث شریف کے مطابق عورت، بچے، بوڑھے، زخمی اور بیمار کے اوپر کسی حال میں دست اندازی جائز نہیں۔

۳۔ خواتین کی عزت کی حفاظت: خواتین کی ناموس ہر حال میں واجب الاحترام ہے۔

۴۔ معاشی تحفظ: روٹی کپڑا اور مکان الغرض معاشی کفالت اسلامی ریاست کا فریضہ ہے۔

۵۔ عدل و انصاف: سورۃ المائدہ کی آیت ۸ میں انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے

۶۔ نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت: سورت المائدہ ہی میں نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون کا حکم دیا گیا ہے۔

۷۔ مساوات: اسلام مساوات کا حق دیتا ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ میں متقی کو امتیاز حاصل ہے۔ رنگ، زبان یا خاندان یا نسل کی بنیاد پر امتیاز نہیں۔ نبی اکرمؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا ہے۔

"کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر۔ ماسوائے تقویٰ کے اور نسبی بنیادوں پر کوئی فضیلت نہیں۔"

۸۔ معصیت سے اجتناب: اسلام معصیت سے اجتناب کا حق دیتا ہے۔ کسی کو گناہ پر آمادہ کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۹۔ ظالم کی اطاعت کے انکار کا حق: اسلام نے ایک اور عظیم الشان حق بھی دیا۔ یہ حق ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق ہے۔

۱۰۔ مشورہ کا حق: معاشرے کے تمام افراد کو حکومت میں مشاورت کا حق دیا گیا۔ تمام افراد کے مشورے سے حکومت کرنے کا حق ہے۔ اسلام شورائی نظام کا تصور پیش کرتا ہے۔ سورۃ شوریٰ کی آیت ۳۸ میں اور آل عمران کی آیت ۱۵۹ میں شورائی نظام کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱۔ آزادی کا حق: کسی انسان کی آزادی بغیر قانونی جواز اور عدل کے تقاضوں کے سلب نہیں کی جا سکتی۔

۱۲۔ حق تحفظ ملکیت: اسلام تحفظ ملکیت کا حق دیتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۸ میں ارشاد ہے

"تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ۔"

۱۳۔ عزت و آبرو کی حفاظت کا حق : عزت و آبرو کی حفاظت کا حق بھی دیا گیا ہے ۔ سورۃ الحجرات میں اوروں کی بے عزتی سے منع کیا گیا ہے ۔

۱۴۔ نجی زندگی کے تحفظ کا حق : سورۃ نور میں نجی زندگی کے تحفظ کا حق دیا گیا ہے۔

۱۵۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق : آدمی ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے ، یہ حق سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ میں دیا گیا ہے ۔ ارشاد ہے ۔

"اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے اور یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو"

یعنی مظلوم کو یہ حق ہے کہ وہ ظالم کے خلاف آواز اٹھائے ۔

۱۶۔ اظہار رائے کا حق : اسلام کی آزادی اظہار رائے کے حق کو بھی تسلیم کرتا ہے اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسا بلند تصور پیش کرتا ہے ۔

۱۷۔ کفر و ایمان اختیار کرنے کی آزادی : قرآن نے واضح طور پر فرمایا کہ "دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں" (البقرہ : ۲۵۶) اس کے تحت ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ کفر کی طرف آئے یا ایمان کی راہ پر چلے ۔

۱۸۔ شخصی اعتقادات اور مذہبی پیشواؤں کے احترام کا حق : قرآن ہر شخص کے مذہبی اعتقادات اور پیشوایان مذہب کا احترام سکھاتا ہے ۔ یہ مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق ہے ۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۸ میں اوروں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے ۔

۱۹۔ آزادی اجتماع کا حق : اسلام آزادی اجتماع کے حق کو بھی تسلیم کرتا ہے ۔

۲۰۔ اپنے ہی اعمال کی جوابدہی : نیز انسان صرف اپنے اعمال اور جرائم کے لیے جواب دہ ہے وہ عمل غیر کی ذمہ داری سے بری ہے ۔

۲۱۔ بلا تحقیق کارروائی کی ممانعت : تحقیق کے بغیر کسی شخص کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی

اجمالی طور پر یہ وہ بنیادی حقوق تھے جو اسلام عطا کرتا ہے ۔ اہل مغرب کے ہاں انسانی حقوق کا اعلان تو کیا جاتا ہے لیکن انہیں کسی قسم کی قوت نافذہ حاصل نہیں جب کہ اسلام کے حقوق واضح ، مکمل اور قابل عمل ہیں ۔ اسلام نے یہ حقوق دوستوں کو بھی دیئے اور دشمنوں کو بھی ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان حقوق کی مکمل وضاحت فرما دی ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو " اسلامی ریاست " سید ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۹۳ء ایڈیشن لاہور ، صفحات ۵۷۰ - ۵۴۹)

دسمبر ۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ نے انسانوں کی نسل کشی کو بین الاقوامی قانون کے خلاف ایک جرم قرار دیا تھا مگر بوسنیا میں سربوں کی درندگی اور کشمیر میں ہندوستان کی بربریت مسلمانوں کی نسل کشی وہ نہ روک سکی۔ اہل مغرب بنیادی حقوق کے تحفظ کا نعرہ لگاتے ہیں مگران سنگین معاملات میں ان کا ضمیر کیوں سو گیا ہے۔

اگر اہل مغرب کے ہاں منشور آزادی (MAGNA CARTA) (۱۲۱۵ء) انسانی حقوق کا منشور اول ہے تو مسلمانوں کے ہاں سرکار دو عالم ؐ کا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا پہلا منشور ہے۔ بعض اہل مغرب نے بھی (خطبہ حجۃ الوداع) کو انسانی حقوق کا منشور اول قرار دیا۔ یہ منشور فصاحت و بلاغت میں فقید المثال ہے۔ تمام نسل انسانی کے لیے ایک عظیم پیغام ہے۔ اس میں رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر اخوت کا پیغام دیا گیا ہے۔ اسلام نے غیر مسلموں کو بھی حقوق دیئے۔ عورت کو اس کا جائز حق اور مقام دیا۔ اسلام نے غلامی کے ادارے کو بتدریج ختم کیا۔ میثاق مدینہ بھی انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کی ایک اعلیٰ مثال ہے نجران کے عیسائیوں سے جو نبی اکرم ؐ کا معاہدہ ہوا تھا وہ بھی بنیادی حقوق کے تحفظ کی ایک سنہری روایت ہے

اب انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کی چند مثالیں تاریخ اسلام کی روشنی میں ملاحظہ ہوں۔

حضرت عمر رضؓ اپنے کنبہ کو اوسط درجہ کے لوگوں کا کھانا کھلاتے۔ اپنے پہننے کے لیے ایک ایک جوڑا گرمی اور سردی کے لیے کر لیتے۔ آپ رضؓ اپنے جسم اطہر پر کبھی ملائم اور نرم کپڑے نہ پہنتے۔ بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، پھٹا عمامہ اور پھٹی جوتیاں اسی حالت میں قیصر اور کسریٰ کے سفیروں سے ملاقات فرماتے۔ جب حضرت حفصہ رضؓ نے طرز معاشرت تبدیل کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا۔

"آپ رسول اللہ صلعم کو بھول گئیں۔ ان کے پاس تو ایک کپڑا اوڑھنے اور بچھانے کو تھا۔"

قحط کے دنوں میں آپ رضؓ نے اپنے لیے وہ آسائشیں بھی حرام کر رکھی تھی جو متوسط طبقہ کو میسر تھیں مثلاً گوشت اسی وقت کھاتے جب نادار لوگوں کو بھیڑ یا بکری ملتی۔ ایسی مثالیں ہمیں تاریخ عالم میں نہیں ملتیں۔ آپ رضؓ نے رعایا کے حقوق کی پاسبانی کس احسن انداز میں فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک شہر میں اگر ایک آدمی بھی بھوکا رہ جائے تو پروردگار عالم اس شہر کی حفاظت کا ذمہ ترک کر دیتا ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر میری مملکت میں ایک کتا بھی بھوکا رہ گیا تو مجھ سے مواخذہ ہوگا۔ آپ رضؓ نے تمام نادار افراد کے وظائف مقرر کر دیئے تھے حتیٰ کہ شیر خوار بچوں کے بھی وظائف مقرر تھے۔ ان چند مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ؐ کے دور مبارکہ میں اور بعد ازاں خلفائے محترم رضؓ کے دور مبارکہ میں انسانی حقوق کو کس قدر مقدم رکھا گیا اور ان بنیادی حقوق کی کس طرح پاسبانی کی گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

الاختیار

اسلام کے سیاسی نظام کی ایک فراموش کردہ اصلاح پر ایک نظر

(۲)

دعوت الی الخیر والی آیت سے قبل اعتصام بحبل اللہ والی آیت ہے جس میں امت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اندر مکمل وحدت کو برقرار رکھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ یہاں اس آیت میں جس انداز سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے خلافت کا قیام ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ امت مسلمہ کی فلاح وسعادت ان امور کی انجام دہی میں ہے اس لیے کہ امت کی بعثت ہی اس مقصد کے لیے ہوئی ہے۔ اور یہ خیر امہ کے منصب پر اسی وقت فائز ہوتی ہے جب ان امور کی انجام دہی کے لیے اٹھ کھڑی ہو ان تینوں امور کو انجام دینے کے لیے جس اجتماعیت، نظم وضبط، استطاعت وصلاحیت اور تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لیے خلافت کا ادارہ ضروری ہے۔

خیر کے معنی جب اچھے انسان کے لیے جائیں یا وہ انسان جس کی ذات میں خیر کا غلبہ ہو تو اس کی جمع اخیار آتی ہے۔ اخیار بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے سورہ ص میں قرآن حکیم نے بعض اولوالعزم انبیاء مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (ص ۳۸۔ ۴۷)

اور یہ سب ہمارے نزدیک منتخب اور پسندیدہ (اخیار) لوگوں میں سے تھے۔

پھر اس سے اگلی آیت مبارکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت الیسع علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور انہیں بھی اخیار کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے

وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ (ص ۳۸۔ ۴۸) یہ سب ہی اخیار تھے۔

قرآن حکیم نے متعدد جگہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے اور دعوت دین کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور ان پر انبیاء کے صبر واستقامت وغیرہ کو بیان کیا ہے یہ سب انبیاء علیہم السلام

کے وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے وہ اخیار کہلائے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جن میں انبیاء علیہم السلام کی صفات اور عمل کی جھلک نظر آئے وہ بھی اخیار کہلائیں گے ۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب خیر کسی فرد کی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے تو وہ اخیار کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس نے خیر کو پہلے اپنی ذات میں اجاگر کیا اور پھر اس خیر کو معاشرہ میں قائم کرنے کے لیے سنت انبیاء کی پیروی کی ۔ اور اس کے لیے مستعد ہوگیا ۔ دعوۃ الی الخیر کے مشن میں شامل ہونے والے افراد بھی اخیار میں شمار ہوتے ہیں ۔

خیرات بھی خیر سے مشتق ہے اور قرآن حکیم میں کوئی دس جگہ آیا ہے ۔ یہ خیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اچھا عمل، نیکی، خوبی وغیرہ ۔ خیرات زمین سے حاصل ہونے والے منافع کو بھی کہا جاتا ہے ۔ سورہ البقرہ میں قرآن حکیم قبلہ یا جہت کا ذکر کرتا ہے ۔ جس کی طرف لوگ عبادت کی حالت میں متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اہل ایمان کو خطاب کر کے کہتا ہے ۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (البقرہ ۲-۱۴۸)

اچھائی کے کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو ۔

لایعنی بحثوں میں الجھنے کی بجائے خیر کے کاموں میں مسابقت کا جذبہ ہونا چاہیئے قرآن حکیم اس جذبہ کو ابھارنا چاہتا ہے ۔

سورہ المائدہ میں کتاب اللہ پر عمل، شعائر اسلام کا احترام، خواہشات نفسانی سے اجتناب، اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری الرسول علیہ السلام کی سمع و طاعت ہر حالت میں عدل، و انصاف کا قیام، انفاق فی سبیل اللہ، حدود اللہ کا نفاذ اور اخلاق و سنجیدگی کے ساتھ اتباع کا حکم ہے ساتھ ہی اس بات پر بھی متنبہ کر دیا گیا کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آزمائشیں بھی رکھی ہیں لہٰذا انسان کو عقل و فہم سے کام لینا چاہیئے اور خیرات کی جتنی صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں مسابقت کا جذبہ ہونا چاہیئے ۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (المائدہ ۵-۴۸) اچھے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ ۔

یہاں دو باتیں اہم ہیں ایک یہ کہ خیرات کا لوگوں میں احساس و شعور ہونا چاہیئے، دوسرے تمام اچھے کاموں کے لیے جذبہ مسابقت ہونا چاہیئے ۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خیرات کے لیے جدوجہد اور مسابقت اجتماعی طور پر ہونی چاہیئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اجتماعی مساعی اور قیام خیر کے لیے جدوجہد کو قرآن کریم نے سراہا ہے ۔

لکن الرسول والذین آمنوا معہ جاھدوا باموالھم وانفسھم واولئک لھم الخیرات واولئک ھم المفلحون (التوبہ ۹، ۸۸)

لیکن اللہ کے رسولؐ اور ان کے ساتھ جو لوگ ایمان لائے سب اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد میں مصروف ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔

سورہ آل عمران میں اہل کتاب کے ان افراد کا تذکرہ ہے جو اپنے عہد پر قائم تھے، جن کے دلوں میں ایمان کی حرارت تھی اور جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کر کے دعوت الی الخیر کے مشن میں شرکت کی۔ دیکھئے قرآن حکیم نے ان کی اعلیٰ صفات کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون آیت اللہ اناء الیل وھم یسجدون یومنون باللہ والیوم الآخر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصلحین (آل عمران ۳، ۱۱۳، ۱۱۴)

ان اہل کتاب میں ایک گروہ اپنے عہد پر قائم ہے یہ راتوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں لوگوں کو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، ایسے لوگ ہی تو نیکوکار ہیں۔"

ان تینوں سورتوں المائدہ، التوبہ اور آل عمران کی آیات میں اجتماعی نظم، جد وجہد اور مسابقت الی الخیر کا ذکر ہے۔ اس اجتماعی مسابقت اور قیام خیر کے لیے مساعی کو منظم اور مربوط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس مقصد کے لیے عہد صحابہ کرام میں خلافت کا ادارہ وجود میں آیا، پھر خلافت کے ادارہ کو ان برائیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے جو سیاست و اقتدار میں پیدا ہو سکتی ہیں اور اسے با مقصد بنانے اور تعمیری کاموں میں منہمک رکھنے کے لیے اختیار اور شوریٰ کے ادارے وجود میں آئے۔

یہاں سورہ المومنون کی ان آیات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جن میں ان حضرات کی بعض نمایاں صفات کا ذکر ہے جو مسابقت الی الخیر کے عمل میں شریک رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِینَ ھُم مِّن خَشیَۃِ رَبِّھِم مُّشفِقُونَ وَالَّذِینَ ھُم بِآیَاتِ رَبِّھِم یُؤمِنُونَ وَالَّذِینَ ھُم بِرَبِّھِم لَا یُشرِکُونَ وَالَّذِینَ یُؤتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُھُم وَجِلَۃٌ اَنَّھُم اِلٰی رَبِّھِم رَاجِعُونَ، اُولٰئِکَ یُسَارِعُونَ فِی الخَیرَاتِ وَھُم لَھَا سَابِقُونَ۔

(المومنون ۲۳، ۵۷، ۶۱)

"یقیناً وہ لوگ جو خشیت الٰہی سے ترساں رہتے ہیں، اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے اور وہ لوگ جو دیتے ہیں تو جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرے ہوئے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں، اور وہ ان کو پا کے رہیں گے۔ (یعنی اپنی نیکیوں کے ثمرات کو حاصل کریں گے اور اپنی منزل مقصود کو پالیں گے) [1]

سورہ الانبیاء میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے اور دین کے قیام اور دعوت الی الخیر میں ان کی مساعی کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت دین سے آغاز ہوتا ہے اور حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت لوط، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، ، حضرت ذوالنون، حضرت زکریا، اور حضرت یحیی علیہم السلام کی دعوت کا ذکر ہے۔

پھر قرآن حکیم ان کے بارے میں کہتا ہے۔

اِنَّھُمْ کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغباً ورھباً (الانبیاء ۲۱:۹۰)

"بے شک یہ لوگ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے اور (امید و بیم) رغبت وخوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمیں پکارنے والے تھے۔"

ان آیات میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے مشن میں پورے اخلاص کے ساتھ مصروف رہے اور خیرات یا بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے لہذا یہ مسابقت اور مسارعت بھی انبیاء علیہم السلام کے مشن کا حصہ ہے۔

اب ہم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک مختصر سی نظر ڈالتے ہیں۔ یوں تو احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جس میں خیر اور اس کے مشتقات کا استعمال انہی معنی میں ہوا ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف دو احادیث بیان کر رہے ہیں اور ان کا انتخاب ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ان کا تعلق نظام مملکت و حکومت سے ہے اس طرح ان کا تعلق اختیار سے بھی ہے جس پر ہم اس مقالہ میں بحث کر رہے ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے۔

---

[1] یہاں اسی سورت کی ابتدائی دس آیات کا بھی مطالعہ کیجئے۔ وہاں بھی کامیاب اہل ایمان کی نمایاں صفات کا ذکر ہے۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم و یحبونکم و تصلون علیھم و یصلون علیکم و شرار ائمتکم الذین تبغضونھم و یبغضونکم و تلعنونھم و یلعنونکم۔

تمھارے بہترین قائد وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں وہ تمھارے لیے دعائے خیر کرتے ہوں اور تم ان کے لیے دعائیں کرتے ہو، اور بدترین لیڈر وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں تم ان پر لعنت و ملامت کرو اور وہ تم پر لعنت و ملامت کریں۔ [1]

اس حدیث مبارکہ میں اچھی قیادت اور عوام کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کو بتایا گیا ہے کہ اچھی قیادت وہ ہے جس کے لیے عوام الناس کے دلوں میں محبت و احترام کے جذبات ہوں اور جس کے لیے سمع وطاعت صرف ظاہری طور پر نہ ہو بلکہ صحیح معنی میں اخلاص کے ساتھ ہو کہ تنہائیوں میں بھی لوگ جب اپنے معبود کے سامنے سربسجود ہوں اور بارگاہ رب العالمین میں جب اپنے لیے دعائیں کریں تو اپنے قائدین کے لیے بھی دعائیں کریں۔ یہ تعلق یک طرفہ نہ ہو۔ بلکہ قائدین کے دلوں میں بھی عوام کی محبت اور خلوص پوری طرح موجود ہو۔ وہ بھی اسی طرح اپنے عوام کے لیے اپنے رب کے حضور دعائیں کیا کریں یہی تعلق اسلامی معاشرہ میں مطلوب ہے۔ لہٰذا اس قسم کی قیادت بھی ابھرنی چاہیئے۔ اس حدیث میں بری قیادت کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے تاکہ اس سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ اگر معاشرہ میں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ عوام اور ان کی قیادت آپس میں نفرت کرنے لگیں اور ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کا نشانہ بنائیں تو یہ معنی اور غیر تعمیری رجحانات کی علامت ہے جو زوال پذیر معاشرہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

دوسری حدیث یہ ہے۔

اذا کانت امرائکم خیارکم و اغنیائکم سمحائکم و امرکم شوری بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا، و اذا کانت امرائکم شرارکم و اغنیائکم بخلائکم و امورکم الی نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا۔ [2]

جب تمھاری قیادت بہترین لوگوں پر مشتمل ہو، تمھارے مال دار سخی ہوں اور تمھارے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوں تو پھر سطح زمین پر تمھارے لیے خیر ہے بہ نسبت زمین کے پیٹ کے، سطح زمین زیادہ

---

[1] مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد، کراچی، ۱۹۵۶) ج ۲ ص ۱۲۹، ترمذی، السنن ج ۲ ص ۱۵، الدارمی، السنن (دار المحاسن، قاہرہ، ۱۹۶۶) ج ۲ ص ۲۳۲

[2] الترمذی، السنن (رشیدیہ، دہلی، تاریخ ندارد) ... ص ۵۱۔

بہتر ہے زمین کے بطن سے) اور اگر تمہارے قائدین بدترین لوگ ہوں تمہارے دولت مند بخیل ہوں ا
تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو پھر زمین کا پیٹ تمہارے لیے سطح زمین سے بہتر ہے"
مندرجہ بالا دونوں احادیث کے مطالعہ سے ایک ایسے نظم مملکت اور قیادت کا تصور ا
ہے جس میں مظاہر خیر کا غلبہ ہو اور ایسے معاشرہ کا تصور نمایاں ہوتا ہے جو متحرک و جاندار ہو جس میں
و اخلاقی اقدار مستحکم ہوں اور جہاں معروف کے قیام اور منکر کی روک تھام کے لیے جہاد جاری ہو۔"

ہماری اس بحث سے خیر کا مفہوم بہت حد تک واضح ہو گیا ہے۔ قرآن و سنت کے مطالعہ
پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ بہت جامع ہے اور ہر شعبہ زندگی میں پائی جانے والی اچھائی کو محیط ہے
اعمال، اخلاق اور اجتماعی زندگی کے تمام امور اس کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس بحث سے الاختیا
مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے۔ الاختیار اسلام کے سیاسی نظام میں صرف چناؤ کا نام نہیں بلکہ یہ وہ
(PROCESS) ہے جس کے ذریعہ ایسی قیادت وجود میں آتی ہے جو خیر کو معاشرہ میں پروان چڑھا
ہے اور شر کو مٹاتی ہے۔ جو معروف کے قیام اور منکر کی روک تھام کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔
ہر کس و ناکس کا چناؤ نہیں ہے، بلکہ ایسے فرد یا افراد کا انتخاب ہے جن کے عمل و کردار میں خیر غا
ہو اور جو خیر کو قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ الاختیار با
اور باکردار قیادت کی تلاش و جستجو کا نام ہے۔ وہ انتخاب جس کے نتیجہ میں اچھی قیادت، سلط
اور جس کے نتیجہ میں قیام خیر کا عمل شروع نہ ہو تو وہ الاختیار نہیں۔ الاختیار صرف وہ ہے جس
نتیجہ میں اچھائی قائم ہو اور برکات و رحمتوں کا ظہور ہو یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب ہم
ملی مقاصد کا صحیح صحیح تعین کریں اور پھر اپنے انتخاب کے ادارہ کی تشکیل نو کریں۔ اس طرح
کو حصول خیر کا ذریعہ بنا سکیں گے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اہل علم اور دانش ور طبقہ اس اد
تشکیل نو کے بارے میں غور و فکر کرے اور ایسی تجاویز پیش کرے جو قابل عمل بھی ہوں اور ملک
کے لیے مفید بھی۔ قرآن و سنت کی روشنی میں یقیناً ہم اپنے اجتماعی و سیاسی اداروں کی تشکی
سکتے ہیں۔

مولانا منور حسین بالم

شہادت مقصودِ مومن

آخرت کے ساتھی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے فکر انسانی میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فکر و نظر کے پیمانے بدل گئے ان کے نام لیوا زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ اور "فکر دنیا" کی جگہ فکر آخرت نے لے لی۔ موت نے حیات کی جستجو شروع کر دی اور شوقِ شہادت ابدی زیست کا سامان فراہم کرنے میں سرگرداں رہنے لگا۔

حضرت بشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ شہداء بدر میں سے تھے۔ غزوہ احد سے قبل عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کو خواب میں ملے اور کہنے لگے۔

"عبداللہ تم جلد ہی ہمارے پاس آجاؤ گے۔"

عبداللہ بن عمرو فرماتے تھے، میں نے پوچھا تم کہاں ہو؟ کہا، جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کے لیے چلے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کیا تم بدر میں شہید نہیں ہو گئے تھے؟ مبشر بولے

"بے شک میں شہید ہو گیا تھا لیکن دوبارہ زندگی عطا کی گئی ہے۔"

عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کے لیے یہ خواب تعجب کا باعث بنا اور اس صاحب مجلس کے پاس تشریف لے گئے جس کی مجلس زندگی کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھاتی تھی۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر ارشاد ہو۔ آپؐ نے فرمایا "اس کی تعبیر تو شہادت ہے"[1]

تعبیر پوری ہونے کا وقت آ گیا۔ صبح احد کا معرکہ کارزار گرم ہونے والا تھا، اپنے بیٹے حضرت جابرؓ کو بلایا اور وصیت کی۔

"میرے بیٹے! صبح جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید ہوں گے، مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے پہلا آدمی ہوں گا۔ تم یقین رکھو اپنے بعد جن لوگوں کو چھوڑ کر میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ پیارے مجھے تم لگتے ہو۔ جو قرض میرے ذمے ہے اسے تم ادا کر دینا۔ اپنی بہنوں کا خیال رکھنا"[2]

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۹۶ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۰۔

ہفتہ کے دن صبح دم رزم حق و باطل میں پہلا وار کھایا، اور صحابہؓ میں پہلا شہید ہی عبداللہ بن عمرو بن حرام تھا۔ اسامہ بن اعور بن عبید نے انہیں شہید کیا تھا۔[1] خواب کی تعبیر جو زبان رسالت سے ملی تھی، پوری ہوگئی۔ مبشر بن عبدالمنذر نے جو اطلاع دی تھی اس کا وقت آگیا تھا۔

مشرکین مکہ کو صرف ان کے قتل پر چین کیسے آسکتا تھا، انہوں نے ان کے ناک اور کان کاٹ کر لاش کو بگاڑ دیا۔ جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھا گیا۔ جس کو باپ نے شب وصیت کی تھی۔ جابرؓ وہ بھی آگیا، بار بار منہ پر سے کپڑا ہٹا کر اپنے شہید والد کو دیکھتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر کپڑا ان کے چہرے سے ہٹوا دیا۔ ان کی بہن فاطمہ جو پاس کھڑی تھیں، اپنے بھائی کی لاش کو دیکھ کر تڑپ اٹھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یہ عبداللہ کی بہن فاطمہ[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا۔ جنازہ جب مدفن کی طرف روانہ ہوا، تو ان کی بہن فاطمہ پھر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں، صبر کا دامن چھوٹ گیا، اور بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔ فاطمہ جسے اپنے بھائی کی محبت یہاں کھینچ لائی تھی، رو رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی، بتایا کہ ان کے بھائی کو کس رتبے پر فائز کیا ہے۔ اور فرمایا۔

"تم کیوں روتی ہو؟ میں نے دیکھا جب تک ان کا جنازہ رکھا رہا اللہ کے فرشتے برابر اس پر اپنے پروں کا سایہ کئے رہے"[3]

کس قدر عظمت کا حامل ہے فاطمہ کا بھائی اور جابر کا باپ یہ عظیم شہید جس کے جنازے پر اللہ کے فرشتوں نے سایہ کیا۔

تدفین کا مرحلہ پیش آیا تو انہیں اور ان کے بہنوئی۔ عمرو بن جموح۔ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اکٹھے دفن کرنے کا حکم دیا اور فرمایا[4]

ادفنوا هذین المتحابین فی الدنیا فی قبر واحد (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۱۵)

ان دونوں کو دنیا میں ایک دوسرے سے محبت تھی، انہیں ایک ہی قبر میں دفن کردو۔

اللہ ہی کے لیے محبت کرنا کتنا ثمر بار اور نتیجہ خیز ہے کہ ایسا آدمی اپنے عمل کے نفع سے دنیا اور آخرت دونوں میں بہرہ ور ہے۔

وہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی تجہیز و تکفین فرمائی

---

[1] اسد الغابہ۔ ج ۲ ص ۲۳۳ [2] صحیح بخاری ج ص ۲، ۱۷[3] صحیح مسلم ج ص ۲۴۲ [4] زاد المعاد۔ ج ۲ ص ۲۱۵

ان کی شہادت کے عنداللہ مقبول ہونے کی ایک کھلی ہوئی دلیل اس وقت سامنے آئی جب جنگِ احد کے چھیالیس ۴۶ برس بعد یہ قبر ایک سیلاب کی وجہ سے کھل گئی۔ اس طویل عرصہ میں لاش کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو جاتا، جسم مٹی میں مل جاتا ہے اور نام و نشان مٹ جاتا ہے لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ دونوں کے جسم محفوظ تھے۔ عبداللہ بن عمرو نے اپنا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا جو احد میں انہیں لگا تھا۔ ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر جا بجا کہ سیدھا کر دیا جائے، تو ہاتھ کے ہٹانے ہی خون بہنے لگا۔ لوگوں نے ہاتھ کو دوبارہ ان کے زخم پر رکھ دیا تو خون رک گیا۔[1]

چھیالیس ۴۶ برس کے بعد بھی جسم محفوظ رہے بلکہ شہید کا ہاتھ جب ہٹایا جائے تو خون بہنا شروع ہو جائے، خواہ کسی کی عقل اسے تسلیم کرے یا نہ کرے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر تھی جس میں فرمایا گیا ہے۔[2]

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، رزق پاتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ اس نے حرام اشیاء کے کھانے سے انسانوں کو منع فرمایا، اور اللہ کے بہت سے بندے ان چیزوں کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ اسی طرح زمین بھی اللہ کی مخلوق ہے اگر اس پر شہداء یا انبیاء علیہم السلام یا کسی صالح میت کا جسم کھانا حرام کر دیا گیا ہو، تو اس میں کون سی ایسی بات ہے جسے تسلیم کرتے ہیں "جدید تہذیب" اور "روشن خیالی" کو شرم محسوس ہوتی ہے۔

حضرت جابرؓ کو والد کی شہادت پر طبعًا دکھ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا جابر! کیا ہوا، بہت پریشان دکھائی دیتے ہو؟ عرض کیا اللہ کے رسول والد کی شہادت، قرض اور اہل و عیال کی ذمہ داری سے پریشان ہوں۔

فرمایا! جابر تجھے ایک خوشخبری سناؤں۔ عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سنایئے۔ تو فرمایا سن۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص سے بغیر پردے کے کلام نہیں فرمایا لیکن تیرے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور بالمشافہ گفتگو کی۔ فرمایا میرے بندے کوئی تمنا ہو تو بتاؤ؟ تمہارے باپ نے عرض کیا کہ واپس دنیا میں لوٹا دیجئے، آپ کی راہ میں دوبارہ مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ طے ہو چکا مرنے

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۲۱۶

کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جاتا۔

اس شہید پر اللہ تعالیٰ نے جو کرم فرمایا ہے، حق تو یہ ہے کہ اس کی شہادت کی موت پر ہزار زندگیاں قربان۔ جس کے جنازے پر فرشتوں نے پر بچھائے ہوں، رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنازہ پڑھایا ہو، تدفین کا حکم فرمایا ہو، شہادت مقبول ہونے کی حسی علامات تک ظاہر کر دی گئی ہوں اور اللہ سے بالمشافہ گفتگو کا اعزاز بخشا گیا ہوگا، اس کی عظمتوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ موت سے کس کو مفر ہے؟ جو بھی زندہ ہے، مرنے ہی کے لیے ہے اور جس نے زندگی گزاری ہے انجام کار موت سے کیسے بچ سکتا ہے۔ جب یہ قدرت کا اٹل اور طے شدہ قانون ہے تو کیوں نہ اچھی سے اچھی موت کا انتخاب کیا جائے؟ اپنا بس جہاں تک چل سکے زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارنے کے بعد موت بھی اسی کی راستے کی مانگی جائے۔ اہل صدق وصفا کی شہادتیں آج بھی رہنمائی کے لیے مینارہ نور ہیں۔ یہ ہمارا ماضی تھا جس سے ہمیں زندگی گزارنے کے ڈھنگ مل رہے ہیں لیکن آج جو ہمارا "حال" ہے وہ مستقبل کی نسلوں کا "ماضی" ہوگا۔ ہم آنے والی نسلوں کے لیے ایک درخشندہ ماضی جبھی فراہم کر سکتے ہیں جب ہم صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔[1]

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لیے ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں۔

مولانا نصر اللہ خاں عزیز نے ان آیات قرآنی کا مفہوم کس خوب صورت انداز میں درج ذیل شعر میں سمو دیا ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے غازی

---

[1] ترمذی ج ۲ کتاب التفسیر، سورۂ آل عمران [2] القرآن ۱۶۲۔

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد اسفندیار خان، کراچی

قائد جمعیۃ حضرۃ مولانا سمیع الحق مدظلہ کی خدمت میں سواد اعظم اہلسنت پاکستان کی جانب سے

سپاسنامہ

ملی یکجہتی کونسل میں شامل اہم جماعت سواد اعظم اہل سنت پاکستان نے قائد جمعیۃ سینیٹر مولانا سمیع الحق کے اعزاز میں ۳۰ مارچ ۱۹۹۶ء کو ان کے دورۂ کراچی کے موقع پر ایک اہم استقبالیہ دیا جس میں کراچی کے مختلف مکاتیب فکر اور جماعتوں کے ممتاز زعماء دانشوروں، علماء و مشائخ نے شرکت کی اس موقع پر سواد اعظم اہل سنت کے سربراہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسفندیار خان صاحب نے مولانا سمیع الحق کی خدمت میں مندرجہ ذیل سپاسنامہ پیش کیا۔

ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد وصلوٰۃ کے بعد!

محترم ومکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ،

سینیٹر وجنرل سیکرٹری ملی یکجہتی کونسل پاکستان وسربراہ جمعیۃ علماء اسلام ودیگر مہمانان گرامی قدر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ،

مہمان خصوصی حضرت مولانا زید مجدہ یہ بندہ خصوصاً آپ کا اور تمام قابل قدر مہمانوں کا بے حد شکرگزار ہے۔ کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت نکال کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ (فجزاکم اللہ خیرا لجزاء)

جناب والا! پورے ملک اور خصوصاً شہر کراچی میں فرقہ واریت، قتل ودہشت گردی عروج پر تھی۔ مسجدیں لہو لہان تھیں۔ علماء اور نمازیوں کو قتل کردیا جاتا تھا عوام عدم تحفظ کا شکار تھے۔ اسلام دشمن عناصر دینی قوتوں۔ دینی اداروں اور مذہبی رہنماؤں پر بنیاد پرستی، دہشت گردی اور تشدد پسندی کا الزام لگا کر انہیں دنیا میں بدنام کرنے کی ناکام سازشیں کر رہے تھے۔ تو دوسری طرف موجودہ غیر شرعی نسوانی حکومت اپنی نااہلی اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے علماء اور دینی قوتوں

کو موردِ الزام ٹھہرا رہی تھی۔ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت۔ دینی اقدار شعائر اسلام کی توہین اور مقاصد پاکستان سے انحراف کے مظاہرے عام تھے۔ پوری قوم علماء اور دینی قوتوں کے خلاف امریکی مغربی اور یہود و ہنود کی جانب سے میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پھیلائے جانے والے زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہوچکی تھی۔ کہ یکایک ایک مردِ آہن، یادگار اسلاف مولانا سمیع الحق کی بالغ نظری، دور اندیشی نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور بالآخر اس مرد مومن اور مرد حق مولانا سمیع الحق نے امریکہ اور اسلام دشمن طاغوتی عناصر کی سرکوبی اور اسلام و نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لیے زعماء ملت کے ایک مؤثر اتحاد کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہوئے ملک کی تمام دینی قوتوں پر مشتمل ایک جماعت ملی یکجہتی کونسل کی داغ بیل ڈالی۔ یہ امر بھی انتہائی قابل تحسین ہے کہ ملی یکجہتی کونسل میں شامل جماعتوں کے قائدین و رہنماؤں نے بلا امتیاز مسلک اور رنگ و نسل کے اس نازک مرحلہ اور سنگین حالات میں اپنے عظیم اتحاد کا عملی مظاہرہ کر کے اسلام دشمن قوتوں کے مذموم عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ ملی یکجہتی کونسل کی ناموس رسالتؐ کے تحفظ کے لیے کی جانے والی ملک گیر تاریخی پہیہ جام ہڑتال کی شاندار کامیابی نے امریکہ کی کاسہ لیس حکومت اور باطل ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا۔ اور پاکستان کے غیور مسلمانوں نے ہڑتال کو کامیاب کر کے حکومت اور اس کے بیرونی آقاؤں پر یہ واضح کر دیا۔ کہ ہم ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم۔ دینی اقدار اور اسلام کی عظمت کے تحفظ و تقدس کے لیے متحد ہیں اور رہیں گے اور اس سلسلہ میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

معزز مہمانِ خصوصی۔ ملی یکجہتی کونسل کے قیام سے فرقہ واریت اور عبادتگاہوں پر مسلح حملوں اور مذہبی تشدد کا سلسلہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اور آج کی یہ پر رونق تقریب جس میں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث اور شیعہ مسالک سے تعلق رکھنے والے زعماء شریک ہیں۔ اس بات کی غمازی کرتی ہے۔ کہ ہم سب ملک میں اسلامی انقلاب کے لیے متحد ہیں۔

اس سے قبل بھی جب کبھی ملک و قوم پر کٹھن اور آزمائشی مرحلہ آیا۔ تو آنجناب نے قوم کی بروقت صحیح رہنمائی کی۔ شریعت کے نفاذ اور حکومت کو مجبور کرنے کے لیے آپ نے پورے ملک کا دورہ کر کے شریعت بل کو سینٹ سے منظور کروایا۔ اس شریعت بل کی منظوری کے لیے چلائی جانے والی دستخطی مہم میں سواد اعظم اہل سنت اور اس کے قائدین اور کارکنوں نے صرف کراچی سے سترہ لاکھ چھ سو انسٹھ فارم پر کر کے اسلام آباد سکرٹریٹ میں جمع کروائے۔ اس میں تقریباً دس ہزار فارم متحدہ عرب امارات میں مقیم پاکستانی علماء کرام اور غیور مسلمانوں سے پُر کروائے اسی طرح آپ نے میاں نواز شریف اور

غلام اسحاق خان تنازعہ کو ختم کرنے کے لیے ملک کے جید علماء کرام کو ساتھ لے کر مصالحتی کردار ادا کر کے ملک و قوم کو ایک سنگین بحران سے بچانے کے لیے جدوجہد کی۔

ہمیں امید ہے کہ آپ ملک و ملت کو درپیش سنگین صورتحال اور موجودہ غیر شرعی جمہوری نظام ظالمانہ نظام حکومت سے نجات دلوانے کے لیے ملی یکجہتی کونسل کے پلیٹ فارم سے تمام جماعتوں کو اعتماد میں لے کر آواز اٹھائیں گے۔ اور غیر متزلزل جدوجہد کا آغاز کریں گے۔ چونکہ قوم کی نظریں اس وقت ملی یکجہتی کونسل پر لگی ہوئی ہیں۔

میں سواد اعظم اہل سنت پاکستان کی جانب سے نفاذ شریعت اور دینی اقدار کے تحفظ کے لیے کی جانے والی ہر جدوجہد میں تعاون کی یقین دہانی کرواتا ہوں۔ آپ سواد اعظم اہل سنت کے علماء و کارکنوں کو نفاذ شریعت کی جدوجہد میں ہر وقت اپنے شانہ بشانہ پائیں گے۔

معزز مہمانانِ گرامی! میں اس موقع پر حکومت کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ملک میں ثقافت کے نام پر ہندو کلچر اور مغربی   ویورپی تہذیب وتمدن اور فحاشی وعریانی کو فروغ دینے سے باز رہے۔ اور پاکستانی ٹیلیوژن کو پابند کرے کہ وہ اسلامی ثقافت ومعاشرہ کے منافی مخرب اخلاق اور حیاسوز پروگرامز اور اشتہارات کو فی الفور بند کر دے، ورنہ ملی یکجہتی کونسل پاکستان ٹیلی ویژن کے خلاف راست اقدام کرنے پر غور کرے گی۔ ہم حکومت سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ ظلم ومہنگائی   کی چکی میں پسے ہوئے غریبوں کی قوت خرید سے بڑھ کر اشیاء خورد ونوش اور عام استعمال کی چیزوں کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ کو واپس لیا جائے۔

آخر میں، میں ملی یکجہتی کونسل کے قائدین سے توقع رکھتا ہوں کہ ملک میں موجودہ غیر شرعی جمہوری اور ظالمانہ نظام کے خاتمہ کے لیے اور اسلامی انقلاب کے لیے ملک کے پندرہ کروڑ غیور مسلمانوں کی امنگوں اور توقعات پر پورا اتریں گے۔

ایک مرتبہ پھر میں صمیم قلب کے ساتھ معزز مہمان سینیٹر مولانا سمیع الحق اور دیگر تمام معزز مہمانانِ گرامی کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور انہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔

ADARTS - HRA - 1/94

REGD. NO. P-90

AL-HAQ

فرمانِ رسول

حضرت علی ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب میری امت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"

"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)